ڈاکٹر ظفر احمد نظامی

مولانا آزاد کی کہانی

مکتبہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

www.taemeernews.com

مولانا آزاد کی کہانی

ڈاکٹر ظفر احمد نظامی

ڈائرکٹر اکیڈمک اسٹاف کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مکتبہ پیامِ تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

www.taemeernews.com

© ظفر احمد نظامی

تقسیم کار

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار۔ دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202001

بار اوّل : نومبر ۱۹۸۸ء تعداد 1000 قیمت: 18/

لبرٹی آرٹ پریس (پرنٹرز) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ نئی دہلی میں طبع ہوئی۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

بیٹی تبسم

بیٹے نظمی

اور

بھتیجی شوبی

کے نام

www.taemeernews.com

فہرست

۱۔ پیش لفظ	۷
۲۔ بچپن	۹
۳۔ صحافت	۲۱
۴۔ سیاست	۲۴
۵۔ کانگریس کی صدارت	۵۱
۶۔ آخری قید	۶۱
۷۔ رہائی	۷۰
۸۔ آزادی	۷۶
۹۔ وزارت	۸۵
۱۰۔ تصانیف	۹۱
۱۱۔ وفات	۹۶
۱۲۔ عقیدت کے پھول	۹۹

www.taemeernews.com

پیش لفظ

دنیا کی تاریخ میں ہندستان کی تحریکِ آزادی کی روئداد ایک نئے اور شان دار باب کا اضافہ کرتی ہے جو دوسرے ملکوں کی آزادی کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد سے بالکل مختلف ہے۔ اس تحریک کے مختلف زمانوں میں مختلف رہنما میدان میں آتے رہے اور اپنا اپنا کردار ادا کرکے رخصت ہوتے رہے۔ رہنماؤں کی اس طویل فہرست میں محی الدین احمد فیروز بخت مولانا ابوالکلام آزاد کا نام سرِفہرست ہے جنھوں نے مکہ جیسے محترم شہر میں ایک کٹر مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی اور چھوٹی ہی عمر میں علم و دانش کی وہ تمام منزلیں طے کرلیں جن تک پہنچنے کے لیے عام لوگوں کو عمریں درکار ہوتی ہیں۔ ان کی بہن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ "مولانا آزاد نے بچپن نہیں دیکھا، چھے سات برس کی عمر سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ ننھے ننھے کاندھوں پر ایک سر ہے جس میں ایک بڑا اونچا دماغ ہے"۔ اسی طرح بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کتنی اچھی بات کہی تھی کہ مولانا کی عمر ان کی ولادت کے وقت ہی پچاس برس کی تھی۔

مولانا آزاد کی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصّے میں انھوں نے جنگِ آزادی کے سالار کی حیثیت سے اپنے ملک کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے کے سلسلے میں جد و جہد کی، قید و بند کی صعوبتوں کو خوش آمدید کہا اور بے مثال قربانیوں کا نمونہ پیش کیا۔ دوسرا حصہ ان کی اُس زندگی کا احاطہ کرتا ہے جب آزادی کے حصول کے بعد مولانا نے ایک نئے اور آزاد ہندستان کے معمار کی حیثیت سے وزیرِ تعلیم کے اعلا منصب کو عزّت بخشی۔ قوم کے ہر فرد کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کی زندگی کے دونوں ادوار تاریخ کے صفحوں پر ہمیشہ چمکتے رہیں گے اور آنے والی

www.taemeernews.com

نسلیں ان سے روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔ یہی یقین موجودہ تصنیف کا سبب ہے تاکہ نوعمر ہندستانی شہری مولانا کی زندگی کو مشعلِ راہ بنا کر ملکی اتحاد اور قومی یک جہتی کی منزل کی طرف گامزن ہونے میں کامیاب ہوسکیں۔

میں نامور ادیب جناب کوثر چاندپوری، پروفیسر علی اشرف شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ڈاکٹر فاروق احمد جیلانی، پرنسپل گورنمنٹ کالج سیہور (مدھیہ پردیش)، ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی پرنسپل بھگت سنگھ کالج نئی دہلی اور محترمہ سلمیٰ سلطان دوردرشن دلّی کا ممنون ہوں جنھوں نے مجھے مفید مشوروں سے نوازا۔

اس موقع پر مجھے بیگم صالحہ ظفر کا خیال آتا ہے جن کی زندگی کی شمع اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی گُل ہوگئی۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں جناب شاہد علی خاں جنرل منیجر مکتبہ جامعہ کے تئیں اظہارِ تشکر نہ کروں جو ان صفحات کی اشاعت کا اصل سبب ہیں۔

اکیڈمک اسٹاف کالج
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دلّی

ظفر احمد نظامی
۲۵ر نومبر ۱۹۸۸ء

www.taemeernews.com

مولانا آزاد کی کہانی

بچپن

سات آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ عجیب انداز کے کھیل کھیلا کرتا تھا۔ کبھی وہ گھر کے صندوقوں کو ایک قطار میں رکھ کر کہتا کہ یہ ریل گاڑی ہے پھر وہ اپنے والد کی پگڑی سر پر باندھ کر بیٹھ جاتا اور اپنی بہنوں کو ہدایت دیتا کہ وہ پلاٹ چلا کر کہیں "ہٹو ہٹو، راستہ دو، دلی کے مولانا آ رہے ہیں"۔ اس کی بہنیں کہتیں کہ وہاں تو کوئی آدمی نہیں وہ کس کو دھکا دیں اور کس سے راستہ دینے کے لیے کہیں۔ اس پر بچہ کہتا کہ "یہ تو کھیل ہے تم سمجھو کہ بہت سے لوگ مجھ کو اسٹیشن پر لینے آئے ہیں"۔ پھر وہ صندوقوں پر سے نیچے اترتا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلنے لگتا جیسے کہ بڑی عمر کے لوگ چلتے ہیں۔ کبھی وہ گھر میں کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہو جاتا اور اپنی بہنوں کو آس پاس کھڑا کر کے کہتا کہ وہ تالیاں بجائیں اور یہ سمجھیں کہ ہزاروں لوگ اس کے چاروں طرف کھڑے ہیں اور وہ تقریر کر رہا ہے اور لوگ اس کی تقریر سن کر تالیاں بجا رہے ہیں۔ اس پر بہنیں کہتیں کہ سوائے انھیں دو چار کے وہاں اور کوئی موجود نہیں اس لیے وہ کیسے سمجھ لیں کہ وہاں ہزاروں لوگ کھڑے ہیں، اس پر بچہ کہتا کہ "یہ تو کھیل ہے اور کھیل میں ایسا ہی ہوتا ہے"۔

یہ کوئی معمولی بچہ نہ تھا، کیونکہ اس کے بچپن کا یہ کھیل جوانی میں حقیقت بن گیا

www.taemeernews.com

جب لوگ اسے ایک بہت بڑا مقرر تسلیم کرنے لگے اور اس کے استقبال کے لیے ہزاروں کی تعداد میں اسٹیشنوں پر جمع ہونے لگے دراصل وہ اپنے بچپن کے کھیل کھیلتے کھیلتے بہت بڑا عالم بن گیا تھا۔ یہ بچہ کوئی اور نہیں بلکہ ہندستان کی جنگ آزادی کا سالار تھا جو مسلمانوں کا امام کہلایا اور ہندستانی قوم کے رہنما کی حیثیت سے مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے مشہور ہوا۔

ابوالکلام نے مکہ کے مقدس، تاریخی اور پاکیزہ شہر میں ۱۱ر نومبر ۱۸۸۸ء کو اپنے وقت کے نامور عالم اور ممتاز فاضل مولانا خیرالدین کے دوسرے بیٹے اور چوتھی اولاد کی حیثیت سے آنکھ کھولی جو قدوہ نام کے محلہ میں رہتے تھے۔ ان کا نام محی الدین احمد رکھا گیا اور تاریخی نام "فیروز بخت" تجویز ہوا ـــــ مکہ اگرچہ دنیا کے نقشے پر عرب کا ایک چھوٹا سا شہر ہے مگر دنیا کے مسلمان احتراماً اسے مکہ مکرمہ کے نام سے پکارتے ہیں کیونکہ یہاں دنیا کی وہ سب سے قدیم اور عظیم مسجد واقع ہے جسے حرم کہتے ہیں اور جسے ہزاروں برس پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ یعنی اللہ کے گھر کی حیثیت سے تعمیر کیا تھا اور جو کعبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی کی طرف رخ کرکے دنیا بھر کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور یہیں صفا نامی مقدس پہاڑی پر کھڑے ہوکر اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ رسول اللہ نے دنیا کو اسلام کا پیغام دیا تھا۔ اسی قابل تعظیم شہر میں احمد کی ولادت نے ان کی ذات کو بھی قابل احترام بنا دیا۔

حقیقت میں مولانا آزاد کے اجداد مغلیہ سلطنت کے بانی شہنشاہ بابر کے زمانہ میں ہندستان آئے تھے۔ پہلے انھوں نے آگرہ میں سکونت اختیار کی مگر بعد ازاں وہ دلی کے تاریخی شہر میں آبسے۔ انھوں نے ہر دور میں بڑی اہم خدمات انجام دیں جو علمی بھی تھیں اور مذہبی بھی۔ یہی سبب تھا کہ ہر عہد میں انھیں اعلا اور اہم عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ان کے خاندان کے ایک مشہور بزرگ کا نام مولانا جمال الدین تھا۔ انھوں نے ایک مرتبہ مذہب کے معاملہ میں شہنشاہ اکبر تک کے خلاف آواز

www.taemeernews.com

بلند کر دی تھی۔ انھیں کے بیٹے مولانا شیخ احمد تھے جن کی خدمت کرنا جہانگیر اور شاہ جہاں جیسے بادشاہ اپنے لیے فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ انھیں کے خاندان کے ایک نامور عالم مولانا محمد ہادی تھے جو مولانا آزاد کے دادا تھے۔ ان کی شادی مولانا منوّر الدین کی لڑکی سے ہوئی تھی جو آزاد کے والد کے نانا تھے۔ مولانا محمد ہادی بڑے ذہین اور ممتاز عالم تھے مگر پچیس سال کی چھوٹی عمر ہی میں ان کی وفات ہوگئی۔ اُس وقت ان کے بیٹے خیرالدین کی عمر تین سال تھی۔ اِس لیے ان کی پرورش ان کے نانا مولانا منوّر الدین کے ذمہ آگئی

مولانا منوّر الدین بڑے پایہ کے عالم تھے۔ وہ پنجاب سے آکر دِلّی میں آبسے تھے۔ ان کی فضیلت اور بزرگی سے متاثر ہو کر شاہ عالم ثانی نے انھیں رکن المدرّسین کے عہدہ پر فائز کیا تھا جو اس زمانہ میں ڈائرکٹر تعلیمات کے برابر تھا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں اور بے شمار شاگردوں کو تعلیم دی۔ ان کا وعظ سننے کے لیے دور دور سے لوگ پیدل چل کر آتے تھے۔ مولانا منوّر الدین نے اپنے نواسہ خیرالدین کی پرورش بڑی محبّت اور محنت سے کی۔ انھیں اعلا تعلیم دلائی، ورزش، پیراکی، تیراندازی کا فن سکھایا اور کُشتی، پنجہ کشی اور خوشنویسی کی مشق کرائی۔ انھیں کی نگرانی اور تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا خیرالدین نے اٹھارہ برس کی عمر میں بہت سے علوم میں مہارت حاصل کرلی۔ اور خود بھی پڑھانے لگے۔ پہلے وہ دِلّی میں تعلیم دیتے رہے پھر کلکتہ میں درس دینے لگے جہاں ہزاروں لوگ ان کے علم اور عمل سے متاثر ہو کر ان کے مرید ہوگئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندستان پر انگریز بُری طرح قابض ہوتے جارہے تھے۔ مغلیہ سلطنت ٹکڑوں میں بٹتی جارہی تھی اور مغل بادشاہ نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔ لوگ پریشان تھے، ان میں بے چینی پھیلتی جارہی تھی اور ملک بدامنی کا شکار تھا۔ ایسے حالات سے مجبور ہو کر مولانا خیرالدین کے ساتھ مولانا منوّر الدین نے ہندستان چھوڑ کر مکّہ کے سفر کا ارادہ کیا مگر جب بھوپال ہوتے ہوئے وہ بمبئی

www.taemeernews.com

پہنچے تو وہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ نانا کی وفات کے باوجود مولانا خیرالدین نے اپنا سفر جاری رکھا اور مکّہ جا پہنچے۔ مکّہ میں انھیں مشہور لوگوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا وہاں انھوں نے اس قدر نام کمایا کہ حرم میں وعظ کہنے لگے۔ ان سے پہلے کسی ہندستانی عالم کو یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا تھا۔ ان کے علم و فضل سے متاثر ہوکر مدینہ منورہ کے مشہور مفتی شیخ احمد ظاہر وتری نے اپنی بھانجی عالیہ کی شادی مولانا خیرالدین کے ساتھ کردی۔ اس طرح مولانا آزاد کے خاندان میں عرب اور ہندستان کے ممتاز خاندانوں کی شاخیں جمع ہوگئیں۔

مکّہ کے قیام کے دوران ہی میں مولانا خیرالدین نے اسلامی ملکوں کا سفر کیا۔ وہ ترکی، قونیہ، شام اور مصر گئے اور دوبار ہندستان بھی آئے۔ اس سفر میں انھوں نے بڑے بڑے عالموں سے ملاقاتیں کیں، کتب خانوں کی سیر کی، نایاب کتابوں کا مطالعہ کیا اور بحث مباحثوں میں حصّہ لیا۔ مکّہ کی واپسی پر انھوں نے نہر زبیدہ کی مرمّت کرائی جسے خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے بنوایا تھا۔ یہ نہر ریگستان میں حاجیوں کے لیے پانی فراہم کرنے کا واحد ذریعہ تھی مگر بدوؤں نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ مولانا خیرالدین نے بیس لاکھ روپے جمع کرکے اس نہر کو دوبارہ مرمّت کے بعد جاری کرایا۔ ان کی اس خدمت کے صلہ میں ترکی کے سلطان نے انھیں اُس دور کے سب سے بڑے اور اہم انعام یعنی تمغۂ مجیدی سے نوازا۔ مولانا خیرالدین کو یہ اعزاز ایک بار پہلے بھی مل چکا تھا

۱۸۹۸ء میں مولانا خیرالدین ہمیشہ کے لیے مکّہ سے کلکتہ آگئے وہاں ہزاروں لوگ اُن سے فیض حاصل کرنے لگے۔ وہ اُنھیں مفید مشورے دیتے، دینی باتیں بتاتے، سچّی راہ دکھاتے " اُن کے کام آتے۔ اور ہر خاص و عام کی رہنمائی کرتے۔ وہ گھنٹوں تقریر کرتے۔ ان کی تقریروں میں اس قدر اثر تھا کہ سننے والے رونے لگتے اور کبھی تو روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ مولانا نے کلکتہ میں دو مشہور مسجدوں کی تعمیر میں حصہ لیا ایک تو کلکتہ کی جامع مسجد جو

www.taemeernews.com

ناخدا مسجد کے نام سے مشہور ہوئی اور دوسری سلطان ٹیپو کی مسجد، جو میسور کے نواب ٹیپو کے نام سے مشہور ہوئی جس نے انگریزوں کے خلاف لڑتے لڑتے جان دے دی تھی۔ اسی طرح مولانا نے بمبئی میں پریل نام کے علاقہ میں بھی ایک مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی مسجد خیرالدین کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا خیرالدین اپنے اصولوں کے بڑے پابند تھے۔ وہ ہر کام اپنے مقررہ وقت پر کرتے تھے۔ وہ علی الصباح اُٹھ بیٹھتے اور رات کے گیارہ بجے سوجاتے تھے۔ وہ امیروں کی دعوت قبول نہیں کرتے تھے مگر غریبوں کے گھر ان کی ہر تقریب میں شریک ہوتے اپنے استادوں اور عالموں کے علاوہ کسی شخص کی تعظیم کے لیے کبھی کھڑے نہ ہوتے۔ وہ بڑے فیاض اور دریا دل تھے۔ ان کے ہر کام میں نفاست پسندی تھی۔ وہ کتابیں پڑھنے کے بڑے شوقین تھے۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی کتابوں کے کئی صندوق اُن کے ساتھ ہوتے۔ وہ جہاں جاتے وہاں کے کتب خانوں کی سیر ضرور کرتے اور نایاب اور قیمتی کتابیں خرید کرلاتے تھے۔ ان کے عقیدت مندوں اور مریدوں کی کوئی گنتی نہ تھی۔ اسی لیے جب ۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہوئی تو ہندستان میں تو ان کا سوگ منایا ہی گیا دوسرے ملکوں میں بھی لوگوں کو بڑا صدمہ پہنچا۔

مولانا خیرالدین نے پانچ بچے اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی کا نام زینب تھا۔ وہ قسطنطنیہ میں پیدا ہوئی تھیں اور عمر میں اپنے سبھی بھائی بہنوں سے بڑی تھیں۔ کم عمری ہی میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔ دوسری اولاد کا نام ابوالنصر غلام یٰسین تھا۔ وہ شاعر تھے اور آہ تخلص کرتے تھے۔ عمر میں مولانا آزاد سے بڑے تھے۔ شاعری میں اردو کے نامور غزل گو شاعر داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ وہ اردو، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی کے ماہر تھے۔ ان کے شعر اور مضامین اس زمانہ کے اچھے اور معیاری رسالوں اور اخباروں میں چھپتے تھے۔ وہ تقریر بھی بہت اچھی کرتے تھے انھوں نے کئی

www.taemeernews.com

کتابیں لکھیں اور عربی کی کئی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ ابوالنصر آہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا آزاد کے ساتھ عراق گئے تھے۔ آزاد تو بیمار ہوکر ہندستان واپس آگئے مگر آہ نے سفر جاری رکھا اور وہ عراق سے شام چلے گئے۔ وہاں وہ بیمار پڑ گئے اور ہندستان واپس پہنچ کر ۱۹۰۶ء میں انتقال کر گئے۔ مولانا خیرالدین کی تیسری اولاد کا نام فاطمہ بیگم تھا۔ جو مولانا آزاد کی منجھلی بہن تھیں۔ وہ شاعرہ تھیں اور آرزو تخلص کرتی تھیں۔ جب ان کے والد کی بینائی کمزور ہوگئی تو آرزو بیگم ہی ان کے لکھنے پڑھنے کا کام انجام دیا کرتی تھیں۔ ان کی شادی بھوپال میں ہوئی تھی۔ ان کے پانچ بچے ہوئے جن میں دو بیٹے تھے اور تین بیٹیاں۔ بیٹوں میں سید یوسف علی بڑے تھے۔ انھیں کی بیٹی نجمہ ہبتہ اللہ ہیں جو ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ہیں۔ ہندستان کی پارلیمنٹ کی ممبر ہیں۔ راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیرمین رہ چکی ہیں۔ اور انڈین نیشنل کانگریس کی جنرل سکریٹری بھی۔ ہندستان کی سیاست میں اعلا مقام رکھتی ہیں اور اب دوبارہ راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیئرپرسن منتخب ہوئی ہیں۔ آرزو بیگم کا انتقال اپریل ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ مولانا خیرالدین کی چوتھی اولاد خود مولانا آزاد تھے اور پانچویں اولاد کا نام حنیفہ بیگم تھا۔ ان کی عرفیت محمودہ تھی۔ وہ بھی اپنی بڑی بہن اور بڑے بھائیوں کی طرح شاعرہ تھیں۔ آبرو تخلص کرتی تھیں۔ ان کی شادی بھی بھوپال میں ہوئی تھی۔ انھوں نے ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا اور دو بچے اپنی یادگار چھوڑے۔

مولانا خیرالدین جب مکہ سے کلکتہ آئے تو آزاد کی عمر دس برس کی تھی۔ پانچ برس کی عمر میں مکہ میں حرم شریف میں ان کے بڑے بھائی ابوالنصر آہ کے ساتھ ان کی بسم اللہ کی تقریب ہوگئی تھی۔ اس کے بعد گھر پر ہی ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے قرآن مجید اپنی خالہ سے پڑھا اور بہت سی سورتیں حفظ کیں۔ اس کے بعد وہ قرأت سیکھنے کے لیے حرم پاک جانے لگے اس طرح انھوں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔

کلکتہ پہنچ کر آزاد اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے جو پرانے

www.taemeernews.com

خیالات اور پرانی وضع کے شخص تھے۔ انھیں نئے خیالات سے کوئی دلچسپی نہ تھی اسی لیے وہ مغربی تعلیم کو ناپسند کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے آزاد کو بھی نئی تعلیم نہیں دلوائی۔ لیکن تعلیم کے معاملہ میں وہ لڑکے اور لڑکیوں میں امتیاز نہیں برتتے تھے بلکہ لڑکیوں کی تعلیم کو بھی لڑکوں کی تعلیم کی طرح ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اپنے تمام بچوں بچیوں کو ساتھ بٹھا لیتے اور انھیں درس دیتے ان میں خود پڑھنے کا مادّہ پیدا کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے۔ اچھا پڑھنے والوں کو انعام دیتے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ آزاد میں مطالعہ کا ذوق ابھرا اور عبارتوں کو خود سمجھنے کی عادت پڑ گئی۔ انھوں نے کبھی کسی سبق کو رٹنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہر چیز کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی نتیجہ میں انھوں نے اُردو، عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی۔

مولانا خیرالدین اکثر بیمار رہنے لگے تو انھیں اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے باہر کے اساتذہ کا انتظام کرنا پڑا ان اساتذہ سے آزاد نے مختلف مضامین پڑھے اور فلسفہ، اقلیدس، ریاضی، الجبرا، منطق اور اسلامیات میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ سولہ برس کی عمر میں خود ان مضامین کا درس دینے لگے۔

مولانا خیرالدین تعلیم ہی کی طرح تربیت کے معاملہ میں بھی سخت واقع ہوئے تھے۔ آزاد کو صبح ٹھیک چار بجے جگا دیا جاتا اور مجال نہ تھی کہ وہ پہلی آواز پر نہ اٹھ بیٹھیں۔ جاگنے کے بعد انھیں وضو کرنے کا حکم ملتا، پھر نماز ادا کرنے کا۔ اسی طرح دن کی تمام نمازیں ادا ہوتیں۔ سخت بیماری کے علاوہ انھیں نماز سے کبھی معافی نہیں ملتی انھیں اپنے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت بھی نہ تھی البتہ جمعہ کی نماز کے لیے وہ مسجد تک جا سکتے تھے۔ ذرا بڑے ہوئے تو انھیں مسجد تک جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ وہ فجر اور ظہر کی نمازیں گھر پر ہی اپنے والد کے پیچھے ادا کرتے البتہ عصر اور مغرب کی نمازیں مسجد میں ادا کرنے لگے مگر اس وقت بھی حافظ صاحب ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ پھر تو نماز میں ان کا دل ایسا لگا کہ وہ علی الصباح اپنے والد کے ساتھ ہی بیدار ہونے لگے۔ اور انھیں کی طرح تہجد کی نماز ادا کرنے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی ان کے بھائی اور بہنیں

www.taemeernews.com

بھی علی الصباح اٹھنے لگے اور ایک وقت آیا جب رات کے دو بجے جاگ جانا ان کے گھر کے سبھی لوگوں کا معمول ہوگیا۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ "نماز بالکل ایسی بات ہوگئی جیسے معین اوقات کی غذا"۔ یہی معمول آگے چل کر مولانا کی زندگی پر حاوی رہا اور مذہبی قدریں بھی انھیں عزیز رہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "بچپن سے ہماری تربیت نہایت گہری مذہبی فضا میں ہوئی تھی اور چھے سات برس کی عمر ہی سے مذہبی اعمال پر تشدد شروع ہوگیا تھا"۔

اس مذہبی معمول کے علاوہ گھر پر کھیل کود کا کوئی ایسا سامان موجود نہ تھا جس سے مولانا دل بہلاتے۔ دراصل وہ ان سبھی کھیلوں سے ناآشنا رہے جو بچپن میں ہر بچہ کو عزیز ہوتے ہیں۔

مولانا آزاد کی تربیت میں ان کی والدہ کا بڑا ہاتھ رہا۔ وہ عرب کی رہنے والی تھیں اور مشہور محدث شیخ احمد ظاہر وتری جیسے عالم کی بھانجی تھیں جو مدینہ منورہ کے مفتی تھے۔ دراصل ان کے والدین تھے تو ہندستان ہی کے باشندہ مگر ہجرت کرکے عرب میں جابسے تھے وہیں آزاد کی والدہ نے تھوڑی بہت اردو سیکھ لی تھی۔ اور آزاد کی تربیت شروع کردی تھی مولانا خیرالدین کو تو اپنے کاموں سے فرصت ملتی نہیں تھی اسی لیے گھر کی چہار دیواری میں ان کی نگرانی کی ذمہ داری ان کی والدہ ہی پر تھی۔ مولانا کے اندر جتنی خوبیاں اور خصوصیات تھیں وہ تقریباً سبھی ان کی والدہ کی دین تھیں ان کی نیکی، شرافت اور نفاست نے سبھی کو متاثر کیا تھا۔ رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز کے بعد مکہ کے معزز اور شریف خاندانوں کی عورتیں ان کے آس پاس جمع ہوجاتیں اور سحری کے وقت تک ان سے دین کی باتیں سنتی تھیں اور مذہبی مسائل کے بارے میں معلومات حاصل کرتی تھیں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ کا خاندان "حجاز کے نہایت سربلند علوی خاندانوں میں سے تھا اور ان کے والد اور چچا کی عزت حرمین کے تمام عالموں کے دلوں پر نقش تھی"۔ انھوں نے

www.taemeernews.com

مولانا کو اخلاق کی تعلیم دی اور بڑوں کا ادب کرنے کا سبق سکھایا۔ چھوٹوں سے محبت کرنے کا درس دیا اور دوسروں کی نکتہ چینی کرنے سے باز رکھا۔ ان کی اخلاقی تعلیم کے عملی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا آزاد نے بچپن کا ایک واقعہ لکھا ہے:

"میرے والد مرحوم نے ایک خوشنویس حافظ مبارک بخاری کو گھر پر ہی رکھ لیا تھا تاکہ ان کی تصنیفات کی تبیئض کریں۔ وہ اپنے کپڑوں کی صفائی کا ذرا خیال نہیں کرتے تھے۔ ایک دن میں نے کہہ دیا کہ وہ بڑے گندے آدمی ہیں۔ میری والدہ نے نہایت دھیمی آواز میں مجھے تادیب تو نہیں تلقین کی اور کہا 'میری جان ایسا نہ کہو، ہوسکتا ہے کہ وہ خدا کی نظر میں تم سے اور ہم سے عزیز تر ہوں'۔"

اس طرح باتوں ہی باتوں میں ان کی والدہ مولانا آزاد کو اخلاق کی تعلیم دیتی رہتی تھیں۔ اپنی والدہ کے بارے میں مولانا نے لکھا ہے:

"ان کی اخلاقی اور دماغی بصیرت پر اب جس قدر غور کرتا ہوں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہر اعتبار سے وہ بلند درجہ کی تھیں۔ وہ نہایت فیاض اور سیر چشم تھیں۔ مفلس اور مصیبت زدہ آدمیوں کی تکلیف ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ والد مرحوم نے ایک مرتبہ ایک نہایت قیمتی دوشالہ ان کے لیے منگوایا۔ جس دن انھوں نے اسے اوڑھا اسی دن اُمّ حبیب ان سے ملنے کے لیے آئی۔ یہ ایک غریب بیوہ تھی جو ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی۔ اس نے ایسا قیمتی دوشالہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کا پلّہ ہاتھ میں لے کر نہایت طامع نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی اور بار بار کہنے لگی کہ ایسی چیز ہم غریبوں کو کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ والدہ نے فوراً دوشالہ کاندھے سے اٹھایا اور اس کے کاندھے پر ڈال دیا۔"

www.taemeernews.com

غرض کہ مولانا کی تربیت میں ان کی والدہ کا بہت اہم کردار رہا۔ انھوں نے مولانا آزاد کو نہ صرف دنیا بلکہ دین کی نعمتوں سے بھی مالا مال کیا۔ ۱۸۹۹ء میں کلکتہ میں ان کا انتقال ہوگیا اور مولانا آزاد اپنی والدہ کی تربیت کے عملی پہلو سے محروم ہو گئے لیکن جو پودا انھوں نے لگایا تھا وہ پروان چڑھتا رہا اور ان کے دیے ہوئے درس کو زندگی میں اتارتا رہا۔ اس کا ثبوت ان واقعات سے ہوتا ہے جو ان کی بہن فاطمہ بیگم نے لکھے ہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ میں پلیگ پھیلا تو مولانا خیرالدین نے اپنے خاندان کو ہگلی بھیج دیا جس مکان میں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے اس کے ساتھ ہی ایک بڑا باغ تھا ایک دن مولانا ایک ٹوکری میں بہت سے شریفے لائے تو ان کی بہنوں کو خیال ہوا کہ شریفے اسی باغ کے ہیں اور مولانا انھیں بغیر اجازت لے آئے ہیں۔ ان کی ایک بہن نے کہا کہ "آپ یہ شریفے بلا اجازت کیوں لے کر آئے ہیں۔ جن کا باغ ہے وہ کیا کہتے ہوں گے"۔ مولانا کو، جو اُن دنوں چھوٹی ہی عمر کے تھے، بہن کی یہ بات سن کر غصہ آگیا۔ ان کا چہرہ سُرخ ہوگیا انھوں نے فوراً یہ کہہ کر "میں کیا چور ہوں؟ ہیں ہیں کیا کوئی چور ہوں" تمام شریفے مکان کے احاطہ میں واقع ایک کنوئیں میں پھینک دیے۔ جب سب پھینک چکے تو کہا کہ "میں ان شریفوں کو خرید کر لایا تھا، آپ لوگ سمجھے کہ میں بلا اجازت توڑ کر باغ سے لایا ہوں"۔

اسی طرح جب مولانا سولہ سترہ برس کے تھے تو ایک رات کمرے میں بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران میں ایک چور گھر میں گھُس آیا اور اسی کمرے میں پہنچ کر اس نے مولانا کی میز پر رکھا ہوا سگریٹ کیس اٹھالیا۔ اسی کمرہ میں ایک صندوق رکھا ہوا تھا جس میں چھے سات ہزار روپے رکھے ہوئے تھے۔ چور نے اس صندوق کو کھول کر وہ روپے بھی نکال لیے مگر مولانا کو ذرا بھی پتا نہ چلا کہ ان کے کمرہ میں سے کوئی چور صندوق کھول کر روپے لے جارہا ہے۔ دوسری صبح

www.taemeernews.com

جب معلوم ہوا کہ سگریٹ کیس اور روپے کوئی لے گیا تو گھر کے سبھی لوگوں نے چور کو برا بھلا کہنا شروع کیا مگر مولانا نے کہا کہ "اس چور کو برا مت کہو۔ نہیں معلوم چور کس مصیبت میں گرفتار تھا اور اُسے کیسی سخت ضرورت تھی۔ جس کی وجہ سے اسے چوری کرنی پڑی۔ وہ چور قابلِ رحم ہے۔" ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے ان کی بہن لکھتی ہیں کہ "سچ تو یہ ہے کہ مولانا آزاد نے بچپن نہیں دیکھا۔ چھے سات برس کی عمر سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ ننھے ننھے کاندھوں پر ایک سر ہے جس میں ایک بڑا اونچا دماغ ہے۔"

مولانا آزاد کو جب اپنے والد سے پڑھانے کی اجازت مل گئی اور وہ باقاعدہ لوگوں کو تعلیم دینے لگے تو سبق دینے کے دوران ہی میں انھیں تقریر کرنے کی عادت پڑ گئی اور تقریریں کرنے میں انھیں لطف آنے لگا۔ اس سلسلہ میں انھیں اپنے والد کے مریدوں سے بڑی مدد ملی جن سے ان کے مکان کا دیوان خانہ ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ جب بھی کوئی مرید اُن سے کسی مسئلہ پر معلومات حاصل کرتا تو مولانا آزاد جواب میں تقریر شروع کر دیتے اور سننے والے ان کی معلومات کے ذخیرے پر حیرت زدہ رہ جاتے۔ زیادہ تر لوگ ان کی لیاقت اور علمیت دیکھ کر ان کی صحیح عمر پر شبہ کا اظہار کرتے۔ خود ان کے استاذ تک انھیں خاصی بڑی عمر کا شخص سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "قدیں بونے ہیں اس لیے دکھائی نہیں دیتے۔" واقعہ تو یہ ہے کہ ان کے والدین کے سخت ڈسپلن کا نتیجہ تھا کہ مولانا وقت سے پہلے ہی بزرگوں کی طرح سنجیدہ رہنے لگے تھے۔ ان کا بیشتر وقت کتابیں پڑھنے میں گزرتا، کتب بینی کا یہ شوق اس قدر بڑھا کہ انھیں جیب خرچ کے لیے جو پیسے ملتے وہ ان سے بھی کتابیں ہی خرید لیتے تھے ان کے بستر پر چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر رہتا اور وہ رات کے دو دو بجے تک موم بتی کی روشنی میں پڑھتے رہتے۔

کتابوں کے مطالعہ نے مولانا آزاد پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ ان کے خیالات

www.taemeernews.com

وسیع ہونے لگے اور فکر میں گہرائی آنے لگی۔ دھیرے دھیرے ان کے خیالات نے نظم میں ڈھلنا شروع کر دیا اور وہ شعر کہنے لگے۔ ان کے ایک رفیق کا نام عبدالواحد سہسرامی تھا۔ وہ شاعر تھے اور کلکتہ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اُنھیں سے ملاقاتوں نے مولانا کے اندر کے شاعر کو جگا دیا تھا۔ انھوں نے اپنی غزلوں کو اس زمانے میں چھپنے والے گلدستوں میں چھپوایا۔ دراصل اُس دور میں شاعروں کی غزلیں جن رسالوں میں چھپتی تھیں انھیں گلدستہ کہا جاتا تھا۔ عبدالواحد ہی نے ان کا تخلص آزاد تجویز کیا تھا اور انھیں کی معرفت وہ اپنا کلام مشاعروں میں بھیج کر پڑھواتے تھے جسے پسند کیا جاتا تھا۔ شروع شروع میں انھوں نے مشہور شاعر امیر مینائی سے اپنی غزلوں پر اصلاح لی مگر روایتی شاعری سے وہ جلد ہی بیزار ہو گئے۔ انھوں نے مولوی ظہیر حسن اور ظفر احسن شوق نیموی سے بھی اصلاح لی تھی۔ خود مولانا نے ۱۹۰۰ء میں بارہ برس کی عمر میں 'نیرنگ عالم' کے نام سے ایک گلدستہ شائع کیا تھا اور اس میں ہندستان کے مشہور شاعروں کی غزلیں چھاپی تھیں۔ یہ گلدستہ تقریباً آٹھ مہینے جاری رہا تاہم انھوں نے شاعری ترک کر دی لیکن اپنا تخلص آزاد باقی رکھا جو ان کے نام کا حصہ بن گیا اور وہ اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔

www.taemeernews.com

صحافت

پہلے کہا جا چکا ہے کہ مولانا آزاد بارہ برس کی عمر میں 'نیرنگ عالم' کے نام سے ایک گلدستہ جاری کر کے اس کے ایڈیٹر بن چکے تھے لیکن آٹھ مہینے بعد یہ بند ہو گیا۔ اگرچہ صحافت کے میدان میں ان کا یہ پہلا قدم تھا مگر اس میں کامیابی نے ان کے حوصلے بڑھا دیے اس لیے ۱۹۰۰ء ہی کے اخیر میں انھوں نے 'المصباح' کے نام سے ایک اور ہفتہ وار رسالہ جاری کیا۔ اس میں انھوں نے علمی مضامین لکھے۔ تاریخ کے واقعات پر روشنی ڈالی، لوگوں کے سوانح اور ان کی زندگی کے حالات قلم بند کیے اور سائنس کے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا۔ لیکن یہ رسالہ بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا تاہم ان کے قلم کا سفر جاری رہا۔ وہ اپنے زمانہ کے مشہور پرچوں میں مختلف موضوعات پر مضمون لکھتے رہے جن میں لاہور کے "مخزن" اور کلکتہ کے "احسن الاخبار" کے نام اہم ہیں۔

مولانا آزاد کی علمیت اور لیاقت سے متاثر ہو کر لکھنؤ کے منشی نوبت رائے نظر نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے رسالہ "خدنگِ نظر" کے نثری حصہ کو ترتیب دیں۔ مولانا نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور اس کم عمری میں کافی عرصہ تک اسے ایڈٹ کرتے رہے۔

www.taemeernews.com

۱۹۰۲ء میں مولانا آزاد نے مشہور رسالہ 'لسان الصدق' جاری کیا جسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا دراصل 'لسان الصدق' کے ذریعہ علمی، ادبی اور سماجی خدمات انجام دینا چاہتے تھے۔ اس میں چھپنے والے مضامین کے ذریعہ انھوں نے مسلمانوں کی سماجی اصلاح کی۔ انھیں کفایت شعاری اور قناعت پسندی کا درس دیا اور بری رسموں اور فضول رواجوں سے روکا۔ ان کے خیالات نے سماج پر اچھا اثر ڈالا۔ انھیں جگہ جگہ تقریر کرنے کے لیے بلایا جانے لگا اور ان کے خیالات کی تعریف کی جانے لگی۔ لوگ انھیں کوئی بڑی عمر کا آدمی سمجھتے تھے کیونکہ ان کی تحریریں اتنی پختہ ہوتی تھیں کہ کوئی عمر رسیدہ شخص ہی ان کا خالق ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۰۴ء میں جب وہ انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں شریک ہونے کے لیے لاہور پہنچے تو ان کی کم عمری دیکھ کر سبھی لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

صحافت کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد نے تعمیری کاموں میں بھی حصہ لیا۔ انھوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام 'الاصلاح' تھا۔ اس کے ذریعہ انھوں نے لوگوں میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، ان کے اندر علمی اور ادبی ذوق پیدا کیا، تقریر اور تحریر میں ان کی حوصلہ افزائی کی۔ انھوں نے ایک ریڈنگ روم بھی قائم کیا جس میں ملکی اور غیر ملکی اخبارات آتے تھے۔ اس سے لوگوں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں مدد ملتی تھی اور دنیا بھر کے حالات کا علم ہوتا تھا۔ دراصل انھوں نے انجمن کو ایک کلب کی طرح استعمال کیا جس میں وہ مسلمانوں کی بھلائی کی اسکیمیں بناتے، مسئلوں پر غور و خوض کرتے اور انھیں سلجھانے کی کوشش کرتے۔ اس کام میں مولانا نے اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو بھی شریک کیا۔ اور ان کے اندر ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ ابھارا 'لسان الصدق' ۱۹۰۵ء تک جاری رہا اور اسی وقت بند ہوا جب مولانا اپنے بھائی غلام یٰسین آہ کے ساتھ عراق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ انھوں نے عراق کے اہم لوگوں سے ملاقاتیں کیں، وہاں کے رہن سہن

www.taemeernews.com

اور لوگوں کے طور طریقوں کا مشاہدہ کیا۔ مگر بغداد میں ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ ہندستان واپس آگئے۔ البتہ ان کے بھائی وہاں سے شام کے سفر پر روانہ ہوگئے مگر پھیپھڑوں کی بیماری نے انھیں بھی ہندستان آنے پر مجبور کر دیا۔ بالآخر اسی بیماری میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس صدمہ نے مولانا کے گھر بھر کو ہلا کر رکھ دیا۔

اُس دور کی اہم ترین شخصیتوں میں علامہ شبلی نعمانی کا نام سرفہرست تھا۔ وہ بھی مولانا آزاد کی تحریروں سے بڑے متاثر تھے مگر جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو شبلی نے مولانا آزاد کو ان کا والد سمجھا تاہم اس حیرت اور مسرت کے عالم میں انھوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ ان کے ادارہ 'ندوۃ العلماء' کے رسالہ 'الندوہ' کی ادارت قبول کرلیں۔ مولانا تیار ہوگئے اور تقریباً سات آٹھ مہینے تک اس کے مدیر کے فرائض انجام دیتے رہے مگر پھر لکھنؤ چھوڑ کر بمبئی جا پہنچے۔

'الندوہ' کی ادارت کے بعد مولانا آزاد امرت سر سے شائع ہونے والے رسالہ 'وکیل' کے ایڈیٹر بنے۔ ان کی کوششوں سے 'وکیل' ایک مقبول اخبار بن گیا اسی دوران میں ان کے بھائی کا انتقال کلکتہ میں ہوگیا اور وہ وہاں بلا لیے گئے۔ پھر کلکتہ ہی میں انھوں نے 'دارالسلطنت' نامی اخبار کی ادارت کی۔ کلکتہ انگریزوں کی راجدھانی تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد دلّی کی حیثیت ختم کردی گئی تھی۔ اور انگریزوں نے کلکتہ کو اپنی راجدھانی بنالیا تھا۔ اسی مناسبت سے 'دارالسلطنت' بہت مناسب نام تھا۔ یہاں سے مولانا آزاد دوبارہ امرت سر چلے گئے۔ وہاں انھوں نے دوبارہ 'وکیل' کی ادارت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ لیکن ۱۹۰۸ء میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور وہ مستقل طور سے کلکتہ چلے گئے۔ کیونکہ بھائی اور والد کے انتقال کے بعد وہی ان کے وارث اور جانشین تھے کلکتہ پہنچ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک ذاتی پریس نہ ہو اخبار جاری کرنا فضول تھا۔ اسی لیے انھوں نے پوری توجہ اپنا نجی پریس قائم کرنے میں صرف کردی تاکہ وہ ایک ایسا معیاری پرچہ شائع کرسکیں جو ملک کی خدمت کرسکے اور مسلمانوں کی اصلاح بھی۔ وہ اپنے اس مقصد میں ۱۹۱۲ء میں کامیاب ہوئے جب انھوں نے کلکتہ سے ہفت روزہ 'الہلال' جاری کرکے صحافت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

www.taemeernews.com

سیاست

'الہلال' کی اشاعت تک مولانا کے خیالات نے کئی کروٹیں بدلیں۔ کبھی ان پر سرسید احمد خاں کا اثر پڑا جنھوں نے علی گڑھ میں مسلم اینگلو اورینٹل کالج قائم کرکے مغربی تعلیم کو مسلمانوں کے لیے اپنی تمام پریشانیوں کا تریاق بتایا تھا تو کبھی مذہب کے بارے میں ان کے خیالات نے عجیب رخ اختیار کیا اور ایک وقت وہ آیا جب مذہب سے ان کی دلچسپی ہی ختم ہوگئی اور انھوں نے نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ مگر حالات اور خیالات نے کروٹ بدلی اور وہ پھر مذہب کی طرف لوٹ آئے کیونکہ دوسری چیزوں پر سے ان کا یقین اٹھ چکا تھا۔

اسی دوران میں مولانا کو سیاست سے دلچسپی ہوگئی۔ دراصل ۱۸۹۹ء میں لارڈ کرزن وائسرائے بن کر ہندستان آیا تھا۔ وہ ہندستانیوں کا مخالف تھا اور انھیں کمتر اور پسماندہ سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ برطانیہ کی حکومت ہندستان کو تہذیب یافتہ بنانے کے لیے قائم ہوئی تھی۔ وہ ہندستانیوں کو جھوٹا سمجھتا تھا۔ اس نے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کو ختم کرنے اور ہندستانیوں کی مشترکہ انجمن انڈین نیشنل کانگریس کو دو ٹکڑوں میں بانٹنے کی کوشش کی تاکہ لوگ متحد نہ رہ سکیں۔ اسی مقصد کے تحت اس نے ۱۹۰۵ء میں بنگال کے صوبہ کو بھی دو حصوں میں تقسیم

www.taemeernews.com

کر دیا۔ ایک حصّہ میں ہندوؤں کی کثرت ہوگئی تو دوسرے حصّہ میں مسلمان اکثریت میں ہوگئے مسلمانوں کی اکثریت والے بنگالی علاقہ کو اس نے ایک الگ صوبہ بنا کر ڈھاکہ کو اس کی راجدھانی بنا دیا تاکہ بنگال کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم نہ رہ سکے اور برطانوی حکومت مضبوط رہے۔ اس تقسیم کی اصل وجہ یہ تھی کہ بنگال اُن دنوں آزادی کی تحریک میں سب سے آگے اور انگریزوں کی مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا۔ بنگال کے اس بٹوارے نے وہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ وہ تمام اس تقسیم کے خلاف ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور بنگال کو دوبارہ متحد کرنے کے لیے ایک تحریک چلانے لگے۔ مولانا آزاد نے بنگالی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ اور خود بھی اس تحریک میں شریک ہوگئے۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دی اور ہندستان کے مختلف حصّوں میں حکومت کے خلاف خفیہ جماعتیں بنانے میں لوگوں کی مدد کی۔ اسی دوران میں مولانا آزاد نے ۱۹۰۸ء میں مصر، شام، ترکی اور فرانس کا سفر کیا وہاں وہ نوجوانوں کی انجمنوں کے رہنماؤں سے ملے اور انھیں ہندستان کے حالات بتائے وہیں مولانا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہندستان کی آزادی کی تحریک میں پیش پیش رہیں گے اور مسلمانوں میں قوم پروری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ایک شاندار اخبار بھی جاری کریں گے۔ اسی خیال کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے انھوں نے ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو کلکتہ سے اپنا عظیم الشان ہفت روزہ پرچہ 'الہلال' شائع کیا۔

'الہلال' بڑی شان سے نکلا۔ اس نے صحافت کی دنیا میں ہلچل مچا دی۔ یہ پہلا رسالہ تھا جو ٹائپ میں چھپتا تھا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اسی حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ "تین ہی مہینوں کے اندر اندر اس کے تمام پرانے اڈیشن دوبارہ شائع کرنے پڑے کیونکہ ہر نیا خریدار اس کے پورے سیٹ کا طلب گار ہوتا تھا۔" پہلی بار اس میں تصویریں بھی شائع کی گئیں۔ اس کی لکھائی اور چھپائی بہت خوبصورت تھی۔ اس

www.taemeernews.com

کے مضامین سبھی کے لیے دلچسپی کا سبب تھے۔ اس کے ذریعہ مولانا آزاد نے اسلام کی تاریخ کو دہراتے ہوئے مسلمانوں کو آزادی کی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ انھوں نے مسلمانوں کو حکومت کے خلاف بغاوت کے لیے تیار کیا اور علی گڑھ کی سیاست سے دور رہ کر ملکی اور قومی سیاست میں حصہ لینے پر اصرار کیا۔ علی گڑھ کی اُس دور کی پالیسی یہ تھی کہ مسلمانوں کو عملی سیاست سے دور رکھا جائے انگریزوں کا فرماں بردار بنایا جائے اور کانگریس کی مخالفت پر آمادہ کیا جائے۔ اسی لیے مولانا نے مسلم لیگ کی پالیسی پر بھی نکتہ چینی کی اور اسے کانگریس کے قریب لانے کی کوشش کی۔

مسلم لیگ کا جنم ۱۹۰۶ء کے دسمبر میں ڈھاکہ میں ہوا تھا۔ دراصل انگریزی حکومت کانگریس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوف زدہ تھی۔ اسی لیے بنگال کو تقسیم کرکے ہندو مسلم اتحاد کو توڑنے کی کوشش کرنے والے لارڈ کرزن نے کانگریس کی مخالفت میں مسلمانوں کو ایک جماعت بنانے کی ترغیب دی تھی۔ اگرچہ کرزن تو اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا مگر اس کے بعد آنے والے وائسرائے لارڈ منٹو نے اس کوشش میں کامیابی حاصل کرلی اور بالآخر مسلم لیگ کا قیام عمل میں آگیا۔ اس جماعت کا مقصد مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا، ان کی شکایتوں اور مطالبوں کو حکومت تک پہنچانا اور انھیں حکومت کا وفادار بنانا تھا۔ اسی لیے مولانا نے مسلم لیگ پر تنقید کی اور اسے کانگریس سے قریب کرکے ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط بنانے کی کوشش کی۔

'الہلال' نے جو تاریخی کارنامہ انجام دیا اس کے بارے میں ہندستان کے تقریباً سبھی رہنماؤں نے مولانا آزاد کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے کہا کہ "ہم سب اصل کام بھولے ہوئے تھے الہلال نے یاد دلا دیا۔" ہندستان کی آزادی کی تحریک کے رہنما جواہر لال نہرو نے لکھا:

> "مولانا آزاد نے الہلال میں مسلمانوں سے ایک نئی زبان میں خطاب کیا۔ نہ صرف یہ کہ ان کے خیالات اور نقطۂ نظر میں جدت تھی بلکہ ان کی

www.taemeernews.com

تحریر کا رنگ بھی نیا تھا۔ ان کا اسلوبِ بیان جاندار تھا اور پرزور بھی .... ابوالکلام آزاد نے قدامت پسندی کے قلعہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ براہ راست نہ تھا بلکہ اپنے خیالات کی ترویج اور اشاعت کے ذریعہ سے کیا گیا۔ اس نے علی گڑھ کی روایات کی بیخ کنی کردی۔ نوجوان صحافی اور مصنف نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ حلقہ میں ہلچل مچادی۔ اگرچہ بزرگوں نے تیوری چڑھائی مگر نوجوانوں کے دلوں میں ایک ہیجان برپا ہوگیا"۔

مولانا آزاد کے ایک ساتھی فضل الدین احمد لکھتے ہیں:

"الہلال کا سب سے بڑا کارنامہ جو ہمیشہ تاریخِ ہند میں یادگار رہے گا، وہ پایدار مذہبی انقلاب ہے جو یکایک مسلمانوں میں اس کی دعوتِ حق سے پیدا ہوگیا ... علما و مشائخ کا گروہ جو اپنے مدرسوں اور حجروں سے کبھی جھانک کر بھی دنیا کی حالت پر نظر نہیں ڈالتا تھا۔ الہلال نے ان کو یکایک نکال کر جد و جہد کے میدانوں میں کھڑا کر دیا"۔

غرض کہ الہلال نے ہندستان کے مسلمانوں کے سوچنے کے انداز کو بدل دیا۔ اگرچہ مخالفوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا یہاں تک کہ اس کے اڈیٹر یعنی مولانا آزاد کو قتل کی دھمکی تک دی مگر وہ اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ جس قدر اس کی مخالفت ہوتی گئی اسی قدر الہلال کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ دو ہی سال کی مدت میں اس کی اشاعت چھبیس ہزار تک پہنچ گئی جو کسی اور رسالہ کو نصیب نہ ہوسکی۔

برطانوی حکومت جب الہلال کی آواز کو دبانے میں کامیاب نہ ہوسکی تو اس نے اس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی۔ مولانا نے فوراً ہی وہ رقم جمع کرادی۔ پھر دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی۔ یہ رقم بھی ادا کردی گئی۔ جب حکومت کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں تو اس نے الہلال پریس ہی کو ضبط

www.taemeernews.com

کرلیا مگر مولانا کب ہتھیار ڈالنے والے تھے۔ انھوں نے سال بھر کی محنت کے بعد البلاغ کے نام سے دوسرا پریس قائم کرلیا اور اسی عنوان سے 'البلاغ' نامی ہفت روزہ پرچہ جاری کر دیا۔ اس میں بھی مولانا نے الہلال ہی کی طرح کے مضامین شائع کیے ۱۹۱۴ء میں عالمگیر جنگ شروع ہوچکی تھی اور برطانیہ اپنی فتح کے لیے راستہ میں آنے والے ہر پتھر کو ہٹا دینا چاہتا تھا اس لیے حکومت نے 'البلاغ' کو بھی راہ سے ہٹا دینا ہی بہتر سمجھا اور مولانا کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر بنگال کی حدوں سے باہر چلے جائیں۔ اس طرح مولانا رانچی چلے گئے۔ جو بہار میں واقع ہے اور البلاغ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ مولانا ۱۹۱۹ء تک رانچی میں نظر بند رہے۔ اس نظر بندی کے زمانہ میں مولانا نے اپنا بیشتر وقت قرآن پاک کا ترجمہ کرنے اور اس کی تفسیر لکھنے میں گزارا۔ مولانا یہ کام پہلے سے کر رہے تھے اور الہلال میں یہ تفسیر ہر ہفتہ چھپتی رہی تھی مگر نظر بندی کے دوران میں انھیں کافی فرصت تھی اس لیے انھوں نے یکسوئی سے اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔ مولانا نے خاصا کام پورا کرلیا تھا کہ پولس نے تلاشی کے دوران میں تفسیر کے مسودے بھی ضبط کرلیے۔ جو کبھی واپس نہیں ملے۔ مولانا نے ہمت کر کے دوبارہ تفسیر لکھنی شروع کی مگر پھر وہی مصیبت نازل ہوئی۔ یعنی پولس نے پھر ان کی ضبطی کرلی مگر اس مرتبہ تفسیر کا مسودہ واپس کر دیا جو اگرچہ بُری حالت میں تھا تاہم بعد ازاں اسے ترجمان القرآن کے نام سے چھاپ دیا گیا۔

مولانا جب رانچی میں نظر بند تھے اور ترجمان القرآن پر کام کر رہے تھے تب لوگ دور دور سے چل کر آتے، ان سے ملتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات تو لوگ پیدل چل کر آتے اور ان سے فیض اٹھاتے۔ ایک مرتبہ تو ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس نے صوبہ سرحد سے پیدل رانچی تک کا سفر طے کیا تھا۔ اسی زمانہ میں مولانا نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات قلمبند کیے جو 'تذکرہ' کے نام سے شائع ہوئے اور جسے ان کی سوانح عمری کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو مولانا آزاد رانچی کی نظربندی سے آزاد کر دے گئے۔ وہ تین سال نو مہینے رانچی میں مقیم رہے تھے۔ ان کی عدم موجودگی کے دوران میں ملک نے کتنی ہی سیاسی کروٹیں لی تھیں۔ کانگریس اور لیگ ایک دوسرے کے قریب آچکی تھیں۔ کانگریس جو دو گروہوں یعنی اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں میں بٹ چکی تھی اب دونوں کو متحد کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی ۔ مسز اینی بیسینٹ جو ایک غیر ملکی خاتون تھیں ہندستان کی آزادی کی لڑائی میں شامل ہوچکی تھیں۔ انھوں نے ہوم رول لیگ قائم کرکے ایک نئی تحریک چلائی تھی۔ جس کے نتیجہ میں انھیں جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی مگر قوم نے انھیں کانگریس کی صدارت کا اعزاز بخشا تھا۔ حکومت نے ہندستانیوں کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے ایک آئین دینے کی کوشش کی تھی جسے برطانوی پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا۔ مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ سے واپس آکر ہندستان کے سیاسی میدان میں قدم رکھ چکے تھے اور انھوں نے بہار میں چمپارن نام کے مقام پر ستیہ گرہ کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ انھوں نے رانچی میں مولانا آزاد سے ملنے کی کوشش بھی کی مگر حکومت نے انھیں اجازت نہیں دی۔ تاہم گاندھی جی نے ایک عوامی تحریک چلائی جو رولٹ ایکٹ کے خلاف تھی۔ رولٹ ایکٹ ایک قانون تھا جسے ہندستان کی مجلس قانون ساز نے پاس کیا تھا اس کے تحت کسی بھی ہندستانی کو گرفتار کرکے جیل میں ڈالا جاسکتا تھا جس کے خلاف نہ تو کارروائی کی جاسکتی تھی اور نہ کسی کو اس گرفتاری کے خلاف اپیل کرنے یا وجہ دریافت کرنے کی اجازت ہی تھی۔ اسے کالے قانون کا نام دیا گیا۔ گاندھی جی کی تحریک پر ملک میں اس قانون کے خلاف ہڑتالیں ہوئیں، مظاہرے ہوئے اور احتجاجی جلسے ہوئے جن میں لوگوں کو پولس کی گولیوں کا شکار بھی ہونا پڑا۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم واقعہ امرت سر میں گزرا جب حکومت نے پنجاب کے دو نامور رہنماؤں یعنی ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کرلیا اور اس

www.taemeernews.com

گرفتاری کے خلاف آواز اُٹھانے والے نہتے ہندستانیوں کو جلیان والا باغ کے احاطہ میں گولیوں سے بھون ڈالا۔

بین الاقوامی سیاست کے میدان میں جنگِ عظیم میں برطانیہ کو فتح حاصل ہوئی اور جرمنی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ترکی نے اس جنگ میں جرمنی کا ساتھ دیا تھا اس لیے اتحادی طاقتوں نے ترکی کو تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سے ہندستان کے مسلمان لرز اُٹھے۔ دراصل ترکی کا سلطان مسلمانوں کا خلیفہ تھا۔ ترکی کے خلاف کوئی کارروائی خلیفہ کے خلاف کارروائی کے برابر تھی اس لیے ہندستان میں ایک تحریک چلانے کا پروگرام بنایا گیا جسے 'تحریک خلافت' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کی رہنمائی گاندھی جی کے ذمہ ہوئی۔ اسی تحریک کے سلسلہ میں ہندستان میں دو بڑی جماعتیں بھی وجود میں آئیں ان میں سے ایک کا نام آل انڈیا خلافت کمیٹی تھا اور دوسری کا جمعیتہ علماء ہند۔ دونوں جماعتوں نے ہندستان کی سیاست میں نمایاں حصّہ لیا۔ مولانا آزاد کی رانچی سے رہائی کے کچھ ہی روز قبل امرت سر میں کانگریس، لیگ، خلافت کمیٹی اور جمعیتہ علماء کے اجلاس ہو چکے تھے۔ اگر مولانا کچھ پہلے رہا ہو جاتے تو وہ بھی ضرور ان میں شریک ہوتے۔ تاہم رہائی کے کچھ ہی روز بعد مولانا دِلّی پہنچے وہاں انھوں نے ان تمام قومی رہنماؤں سے ملاقات کی جنھوں نے ان کی عدم موجودگی میں ہندستانی سیاست میں حصّہ لیا تھا۔ وہ گاندھی جی سے بھی ملے تاکہ ہندستان کے مسائل پر ان کے ساتھ بات چیت کر سکیں۔ یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ اگرچہ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھے۔ ۱۹۰۸ء میں جب مولانا کے والد کا انتقال ہو گیا تھا تو گاندھی جی نے جنوبی افریقہ سے انھیں تعزیتی تار بھیجا تھا۔ مولانا نے حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، تصدّق احمد خاں شیروانی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، پنڈت مدن موہن مالویہ، پنڈت موتی لال نہرو،

www.taemeernews.com

اور پنڈت جواہر لال نہرو کے علاوہ ان تمام رہنماؤں سے بھی ملاقات کی جو ہندستان کے مسئلوں کو سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کے خواہش مند تھے۔

اسی اثنار میں مولانا اور گاندھی جی برطانوی حکومت کو متاثر کرنے کی غرض سے کسی تحریک کے چلانے کا منصوبہ بنا رہے تھے نتیجہ میں گاندھی جی نے ترک موالات کا منصوبہ بنایا تو اسے سب سے پہلے مولانا آزاد کی تائید حاصل ہوئی۔ جب گاندھی جی نے عدم تعاون کی اس تحریک کو پیش کیا تو خود مولانا کے الفاظ میں "میں نے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر کہا کہ میں ان کے پروگرام کو پوری طرح منظور کرتا ہوں۔ اگر لوگ واقعتاً ترکی کی امداد کرنا چاہتے ہیں تو گاندھی جی کے ذریعہ سجھائے ہوئے پروگرام کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا" ہندستان کے بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ترک موالات کی تحریک کے بانی کی حیثیت سے جس قدر حصہ گاندھی جی کا تھا اسی قدر حصہ مولانا آزاد کا بھی تھا۔ اس تحریک میں حصہ لینے والوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ حکومت کے دیے ہوئے خطاب اور تمغے واپس کر دیں، حکومت کے کسی کام میں حصہ نہ لیں، اس کے ساتھ عدم تعاون کریں اور اس کے جلسوں کا بائیکاٹ کریں۔ اس پروگرام کی منظوری کے بعد خلافت کانفرنس کا ایک اہم جلسہ میرٹھ میں ہوا۔ مولانا آزاد اور مہاتما گاندھی نے اس جلسہ میں ترک موالات کی تحریک کا پورا خاکہ پیش کیا۔ اس کے بعد فروری ۲۰ء میں کلکتہ میں منعقد ہونے والی خلافت کانفرنس میں مولانا نے اس تحریک کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے لیے اس میں شامل ہونا مذہبی طور سے بھی لازمی ہے۔ اس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں خلافت کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں اور ترک موالات کی تائید میں لاکھوں لوگ اکٹھا ہو کر اپنے رہنماؤں کی آواز پر لبیک کہنے لگے۔ اس زمانہ میں مولانا نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی انتھک کوشش کی نتیجہ میں ۱۹ر مارچ ۱۹۲۰ء کو سارے ملک میں یوم خلافت منایا گیا اور حکیم اجمل خاں نے اپنا قیصر ہند

www.taemeernews.com

کا طلائی تمغا دو نقرئی تمغے اور حاذق الملک، کا اپنا خطاب حکومت کو احتجاج کے طور پر واپس کر کے اس تحریک کا افتتاح کیا۔ پھر کیا تھا ملک کے دوسرے خطاب یافتہ لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی اور اس طرح ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں نے ملک کے بے جان جسم میں تازہ روح پھونک دی اور لوگوں میں قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا۔

تحریک خلافت ہی کے سلسلہ میں مولانا آزاد نے اعلان کیا کہ ہندستان جب تک انگریزوں کے قبضہ میں رہے گا دارالحرب یعنی دشمنوں کی سرزمین کہلائے گا اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان یا تو انگریزوں کے خلاف جہاد کریں اور اگر وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتے تو پھر ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جو دارالاسلام یعنی سلامتی کی سرزمین ہو۔ اس اعلان کی روشنی میں ہزاروں مسلمان ہندستان چھوڑ کر کابل چلے گئے۔

ترک موالات کی تحریک خلافت کے دائرہ تک محدود تھی اس کا وسیع کیا جانا ضروری تھا۔ اس لیے کلکتہ میں لالہ لاجپت رائے کی صدارت میں کانگریس کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں گاندھی جی نے پورے پروگرام کو ملک کے سامنے پیش کیا اس پروگرام کے تحت خطاب یافتہ لوگوں کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے خطاب حکومت کو واپس کر دیں، سرکاری جلسوں میں شامل نہ ہوں، طالب علم سرکاری اور سرکار کی امداد سے چلنے والے اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کر کے قومی تعلیمی ادارے قائم کریں، وکیل عدالتوں سے باہر نکل آئیں، لوگ فوج میں ملازمت نہ کریں، کونسلوں کے الیکشن میں حصہ لینے کے خواہش مند امیدوار اپنے نام واپس لے لیں اور تمام لوگ بدیسی سامان کا بائیکاٹ کریں۔ یہ پورا پروگرام بڑی اکثریت سے منظور ہوا اور پھر اسی سال دسمبر میں کانگریس کے ناگ پور میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس نے اس کی توثیق کر دی۔ ان دونوں اجلاسوں میں مولانا پیش پیش رہے۔

مولانا آزاد نے تحریک خلافت اور ترک موالات کے لیے نہ صرف لوگوں کو

www.taemeernews.com

تیار کیا بلکہ اس میدان میں انھوں نے عملی کام بھی کیا۔ تحریک کے پروگرام میں شامل تھا کہ طلبہ سرکاری مدارس سے باہر نکل آئیں اور نئے قومی مدارس قائم کریں۔ مولانا نے ایک مدرسہ کلکتہ کی جامع مسجد ناخدا میں اپنی نگرانی میں قائم کیا۔ اس میں بیشتر طالب علم مدرسہ عالیہ کو خیرباد کہہ کر آئے تھے۔ مولانا کی دعوت پر مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو مہاتما گاندھی نے کیا۔ اس موقع پر مولانا نے مہاتما جی کو مدرسہ سے متعارف کراتے ہوئے کہا:

"۔۔۔۔ اس وقت طلبہ کی جو جماعت آپ کے سامنے ہے اور جس کی آنکھیں آپ کے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے جو عہد اوّل دن کیا تھا۔ اب تک اس پر پوری طرح قائم ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے مدرسۂ عالیہ کلکتہ کی شاندار عمارت اور اس کے عالی شان ہوسٹل کو، جس میں بہترین سامان آرایش و آسایش مہیا تھا، محض احکامِ الٰہی کی پابندی اور سچے ہندستانی کی حیثیت سے چھوڑ دیا ہے اور اس طرح وہاں سے نکلی ہے کہ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ کہاں جا رہی ہے اور کہاں رہے گی؟ یہ وہ جماعت ہے جس نے ترکِ موالات کی راہ میں ہر طرح کی تکالیف برداشت کی ہیں۔ بھوک اور پیاس کی سختی جھیلی ہے اور جاڑے کی طویل راتیں ٹھنڈی زمین پر گزاری ہیں اور اب تک گزار رہی ہے کیونکہ سونے کے لیے اب تک اس کے پاس چارپائیاں نہیں ہیں۔"

مولانا قومی تعلیم کے حامی تھے اور مغربی تعلیم کو ملک کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"۔۔۔ ہندستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائل و اعمال کو پہنچائے ہیں ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیلِ علم کا مقصد اعلا ہماری نظروں سے محجوب ہو گیا ہے۔ علم، خدا کی ایک پاک

www.taemeernews.com

امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے۔ لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے۔ وہ علم کا اس لیے شوق دلاتی ہے کہ بلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی پس! اب ہندستان میں علم کو علم کے لیے نہیں، بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نو آبادیاں ہیں، کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں؟ مشتاقان علم اور شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں، ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالا چاول کے پرستاروں سے، جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصولِ تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے۔"

اس طرح مولانا کے نزدیک سرکاری اسکولوں کی تعلیم حاصل کرنے ہی میں فائدہ تھا کیونکہ اس میں طلبہ کا مستقبل روشن ہونے کا یقین شامل تھا مگر مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ کا نہ حال یقینی تھا نہ مستقبل تاہم وہ علم کے حصول کے اپنے مقصد کی دُھن میں مست تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے کہا:

"... علم کی اس عام توہین وتذلیل کی تاریکی میں سچی علم پرستی کی ایک روشنی برابر چمکتی رہی ہے۔ یہ ہندستان کے طالبینِ علم کی وہ جماعتیں ہیں جو اسلام کے قدیم مذہبی علوم اور مذہبی زبان کے فنون، مختلف عربی مدرسوں میں حاصل کر رہی ہیں... بجا طور پر آج صرف یہی ایک جماعت علم کی سچی پرستار کہی جا سکتی ہے... ان کو پوری طرح یقین ہے کہ عربی تعلیم کو آج کوئی نہیں پوچھتا، حتیٰ کہ روٹی بھی اس کے ذریعہ نہیں مل سکتی پھر بھی ان کے دلوں میں ایک مخفی مگر طاقتور جذبہ موجود ہے جو انگریزی تعلیم کی طرف جانے نہیں دیتا اور اس کس مپرسی میں بھی عربی تعلیم ہی کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے ہیں... یہ جذبہ بجز علم پرستی

www.taemeernews.com

اور رضائے الٰہی کے اور کوئی دنیوی غرض نہیں رکھتا اور اس لیے
ہندستان بھر میں علم کو علم کے لیے اگر کوئی پڑھنے والی جماعت ہے تو وہ عربی
مدارس ہی کی جماعت ہوسکتی ہے . . . "

مولانا آزاد کے دل میں عربی کے طلبہ کے لیے محبت تھی کیونکہ انھوں نے کسی حیل و حجت کے بغیر عربی کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا جب کہ اس زمانہ کے طالب علم اس وقت تک کسی اسکول یا کالج کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے جب تک انھیں یہ یقین نہ ہوجائے کہ وہ سرکاری تعلیم چھوڑنے کے بعد بھی روپے کما سکیں گے۔ مدرسہ اسلامیہ کے افتتاح سے پہلے بھی مولانا نے علی گڑھ کے طلبہ کو اپنے مادرِ علمی کو خیرباد کہہ کر جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھنے کے لیے تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا جس کا افتتاح ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں کراچی میں ایک خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولانا محمد علی اس کے صدر تھے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ "مسلمانوں کے لیے فوج میں بھرتی ہونا اور فوج کی ملازمت کو جاری رکھنا حرام ہے" انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر برطانوی حکومت نے ترکی کے خلاف کوئی اقدام کیا تو ہندستان کے مسلمان قانون توڑنے پر مجبور ہوجائیں گے اور ہندستان کی آزادی کا اعلان کردیں گے اس تجویز اور تقریر کے سلسلہ میں حکومت نے مولانا محمد علی کے علاوہ مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، نثار احمد خان پوری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پیر غلام مجدد سندھی اور جگدگرو شنکر آچاریہ کو بھی اس کی تائید کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا کچھ ہی روز بعد کانگریس کے رہنماؤں نے بھی ایک بیان جاری کرکے اس تجویز اور تقریر کی تائید کردی۔ اس پر مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد کے دستخط بھی تھے۔

مولانا آزاد نے نہ صرف بیان پر دستخط کیے بلکہ انھوں نے اکتوبر میں آگرہ میں منعقد ہونے والی خلافت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی کانفرنس

www.taemeernews.com

کے سلسلہ میں حکومت نے جن رہنماؤں کو گرفتار کیا تھا تو ان کے خلاف ان کا جرم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی انھوں نے کہا:

"..... دنیا کی ہر قوم و ملک کی تاریخ میں ایک زمانہ آتا ہے جب ملک کا ہر باشندہ ظلم، گھمنڈ اور مادی طاقت کی نظروں میں مجرم بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ آزادی چاہتا ہے اور ظلم کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ قوم کی تاریخ میں یہ فیصلہ کن گھڑی ہوتی ہے آج ہندستان کا کون بدبخت بسنے والا ہے جو گورنمنٹ کی نظروں میں مجرم نہیں ہے؟ اور ہندستان کا وہ کون محروم باشندہ ہے جسے اس جرم سے انکار ہوگا؟"

"گورنمنٹ کی ہندستان میں بدبختیوں کی اگر تاریخ لکھی گئی تو یقیناً اس تاریخ میں سب سے آخری بدقسمتی یہ شمار کی جائے گی کہ گورنمنٹ نے اپنی اس سب سے بڑی سلطنت کو اپنی سب سے بڑی فتح سمجھا اور غرور سے دیوانی ہوگئی۔"

مولانا نے اعلان کیا کہ:

"گورنمنٹ نے ان زندانیانِ حق کے لیے ایک ایسا جرم انتخاب کیا جو اگر جرم ہے، تو صرف محمد علی، شوکت علی، حسین احمد کا نہیں ہے، بلکہ فی الحقیقت سات کروڑ قائلانِ کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا، بلکہ ہندستان کے بتیس کروڑ بسنے والوں کا متفقہ جرم ہے۔"

مولانا نے کہا کہ جس جرم کے لیے کراچی کی کانفرنس میں تقریر کرنے والے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا تھا وہ جرم تو وہ خود ۱۹۱۶ء میں کر چکے تھے۔ رانچی میں نظربندی کے سلسلہ میں گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ وہ ملک معظم کے دشمنوں سے ساز باز رکھتے ہیں تو مولانا نے ایک چٹھی وائسرائے کو لکھی تھی اور اس میں تفصیل سے اسلام کے وہ احکام درج کیے تھے جن کی رُو سے کسی مسلمان کے لیے ایک لمحہ کے

www.taemeernews.com

لیے بھی برطانوی حکومت کی ملازمت کرنا جائز نہ تھا۔ مولانا نے کہا کہ :

"میرے الفاظ یہ تھے کہ نہ صرف یہ حرام ہے بلکہ قرآن وحدیث کے احکام کے بموجب یہ لفظ کافی نہیں کہ حرام ہے، بلکہ اسلام اور کفر کا فیصلہ کر دینے والا ہے۔ ہر لمحہ جو ایک بد بخت کے لیے انگریزی جھنڈے کے نیچے گزرے گا وہ اس کے لیے حرام ہے۔"

مولانا نے علی الاعلان کہا کہ :

"گورنمنٹ اگر گرفتار کرنے کے لیے تیار ہے، تو اور مجرموں کو چھوڑ دو، ایک مجرم تمھارے سامنے کھڑا ہے۔ اگر اس عقیدے کی دعوت جرم ہے، تو میں نے محض اعلان نہیں کیا، محض دور سے دعوت نہیں دی، بلکہ میں نے سپاہیوں سے کہا ہے کہ بارش کی بوندوں کی طرح خدا کی لعنت تم پر برس رہی ہے۔ اگر لعنت سے بچنا چاہتے ہو تو انگریزی راج کی غلامی چھوڑ دو۔"

مولانا نے اپنے الفاظ دہراتے ہوئے کہا :

"ہاں ہاں میں نے سپاہیوں سے، ہندستان کی برٹش فوج سے یہ کہا ہے، اور جب تک میرے حلق میں آواز پھنستی نہیں، یہی کہتا رہوں گا۔ آج بھی اعلان کرتا ہوں اور جب تک میری زندگی باقی ہے ہر صبح کو، ہر شام کو میرا پہلا فرض یہی ہوگا کہ سپاہیوں کو اور غلاموں اور ان سے کہوں کہ گورنمنٹ کی نوکری چھوڑ دو۔ کیا عظیم الشان برٹش گورنمنٹ، جس کی حکومت میں کبھی سورج نہیں ڈوبتا، تیار ہے کہ گرفتار کرے؟ اگر یہ جرم ہے تو اس جرم کا ارتکاب تمام ملک کر رہا ہے۔ میں نے سپاہیوں سے کہا ہے اور لوگوں سے بھی کہا ہے کہ تم سپاہیوں کے پاس جاؤ اور سپاہیوں کو یہ پیغام سناؤ۔ پھر برٹش گورنمنٹ اگر اپنی طاقت کا گھمنڈ رکھتی ہے تو کیوں نہیں قدم آگے بڑھاتی؟

www.taemeernews.com

کیا گورنمنٹ کی مشینری پر فالج گر گیا ہے؟"

حکومت نے مولانا آزاد کی اس صدارتی تقریر کو ایک کھلا ہوا چیلنج سمجھا اور دسمبر ۱۹۲۱ء میں انھیں گرفتار کر لیا۔ اپنی گرفتاری پر انھوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کو گرفتار کر کے حکومت بنگال نے نہ صرف صوبہ کی بلکہ پورے ملک کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ اس موقع پر انھوں نے مہاتما گاندھی کے نام ایک خط لکھا اور ہندستان کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام جاری کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ :

"تم ہی سب پر غالب رہو گے اگر سچا ایمان اپنے اندر پیدا کر لو، ہماری تمام فتح مندیوں کی بنیاد چار سچائیوں پر ہے اور میں اس وقت بھی ملک کے ہر باشندے کو انھیں کی دعوت دیتا ہوں۔ ہندو مسلمانوں کا کامل اتفاق، امن ونظم، قربانی اور استقامت ... مسلمانوں سے میں خاص طور پر التجا کروں گا کہ اپنے اسلامی شرف کو یاد رکھیں اور آزمایش کی اس فیصلہ کن گھڑی میں اپنے تمام ہندستانی بھائیوں سے آگے نکل جائیں۔ اگر وہ پیچھے رہے تو ان کا وجود چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم کے لیے شرم و ذلت کا ایک دائمی دھبہ ہوگا۔"

مولانا آزاد اور دیش بندھو چترنجن داس دونوں کو پریزیڈنسی جیل علی پور میں قید کر دیا گیا۔ انھوں نے اپنے خلاف مقدمہ کی کارروائی میں سیتہ گرہی کی حیثیت سے کوئی حصہ نہیں لیا تاہم مولانا نے ایک تحریری بیان ضرور داخل کیا جو بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بیان "قول فیصل" کے نام سے مشہور رہے۔ مولانا نے کانفرنسوں اور مختلف جلسوں میں تو حکومت کے خلاف سخت تقریریں کی تھیں مگر براہ راست حکومت کی شاخ یعنی عدالت کو للکارنے کا ان کا یہ پہلا موقع تھا۔ اپنے بیان میں انھوں نے حکومت کو محض ایک ناجائز بیوروکریسی

www.taemeernews.com

سے تعبیر کیا جو کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہشوں کی دشمن تھی اور ہمیشہ انصاف اور سچائی پر اپنے جھوٹے وقار کو ترجیح دیتی تھی۔ حکومت کے مظالم کے بارے میں انھوں نے بآواز بلند کہا کہ:

"۔۔۔۔ وہ جلیان والا باغ امرت سر کا وحشیانہ قتلِ عام جائز رکھتی ہے۔ وہ انسانوں کے لیے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چارپایوں کی طرح پیٹ کے بل چلائے جائیں۔ وہ بے گناہ ترکوں کو صرف ایسے تازیانہ کی ضرب سے بے ہوش ہو جانے دیتی ہے کہ کیوں ایک بت کی طرح 'یونین جیک' کو سلام نہیں کرتے۔ وہ تیس کروڑ انسانوں کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں آتی وہ اپنے تمام وعدوں کو توڑ دینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی۔ وہ سمرنا اور تھریس کو صریح نامنصفانہ طور پر یونانیوں کے حوالے کر دیتی ہے اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل وغارت کا تماشہ دیکھتی ہے۔ انصاف کی پامالی میں اس کی جرأت اور دلیری بالکل بے باک ہے۔ اور حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے اس کے منہ میں کوئی لگام نہیں۔ سمرنا میں ستّر فیصدی مسلمانوں کی آبادی ہے مگر وزیر اعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو خون اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے لیکن وہ بے دھڑک ترکی مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا رہتا ہے۔۔۔ پھر نہ تو ان تمام مظالم اور جرائم کے لیے اعتراف ہے نہ تلافی بلکہ ملک کی جائز اور با امن جد وجہد کو پامال کرنے کے لیے ہر طرح کا جبر و تشدد شروع کر دیا جاتا ہے۔۔۔۔ کیا یہ صرف اس لیے کہ ظالم طاقتور ہے اور اس کے پاس جیل ہے، اس کا حق دار ہو جاتا ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے۔"

www.taemeernews.com

مولانا کا یہ بیان ایک ملزم کا بیان نہیں بلکہ مجرم حکومت کی فرد جرم تھی۔ اس میں انھوں نے حکومت کے خلاف الزامات شمار کرائے تھے جو حقیقت پر مبنی تھے۔ اس میں بے باکی بھی تھی اور دلیری بھی۔ بے خوفی بھی تھی اور جرأت بھی۔ اسی بیان میں انھوں نے اقرار کیا کہ وہ بار بار مسلمانوں کو ترک موالات کا مشورہ دے چکے ہیں اس لیے وہ اپنے جرم سے انکار نہیں کرتے۔ اپنے بیان کے اخیر میں مولانا نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے۔ تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی، میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کر دیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اس کا جج ہے، وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔"

مولانا کے اس دلیرانہ اور بے باک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مہاتما گاندھی نے لکھا کہ "اس سے زیادہ پُرزور، صداقت سے پُر اور بے باک بیان کسی سیتہ گرہی کا نہیں ہوسکتا۔" جیسی کہ امید تھی مولانا کو فروری ۲۳ء میں ایک سال کی سزا کا حکم سنا دیا گیا۔ فیصلہ سننے کے بعد مولانا نے مسکراتے ہوئے مجسٹریٹ سے کہا کہ "یہ سزا تو بہت کم ہے اور میری توقع کے خلاف بھی۔"

مولانا نے اپنی قید کی مدت میں اپنے پرانے ساتھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

www.taemeernews.com

کے اصرار پر "تذکرہ" کی دوسری جلد بڑی حد تک مکمل کرا دی جو رانچی میں نظربندی کے زمانہ میں ادھوری رہ گئی تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ملیح آبادی بھی اسی جیل میں رکھے گئے تھے جس میں مولانا مقید تھے مولانا روزانہ اپنے حالات زبانی بیان کرتے جاتے تھے اور مولانا ملیح آبادی انھیں لکھتے رہتے تھے۔ رات میں مسودہ صاف کر لیا جاتا اور اگلے روز مولانا پھر لکھوانا شروع کر دیتے۔ مولانا کا حافظہ بڑا تیز تھا۔ انھوں نے جو کچھ لکھوایا کسی تحریری یادداشت، کاغذ کتاب یا نوٹ کے بغیر لکھوایا۔ رہائی کے بعد مولانا ملیح آبادی نے ان تمام تحریروں کو ایک کتابی شکل میں "آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" کے عنوان سے شائع کیا۔

مولانا جب جیل میں تھے تو ہندستان کی سیاست میں ایک نیا موڑ آیا۔ دراصل فروری ۱۹۲۲ء میں گورکھپور کے ضلع میں واقع چوری چورا نام کے ایک مقام پر لوگوں نے غصہ میں پولس تھانے کو جلا دیا جس کے نتیجہ میں کئی پولس کانسٹبل جل کر مر گئے۔ مہاتما گاندھی کی تحریک ترک موالات عدم تشدد پر قائم تھی اس لیے مہاتما گاندھی کو اس واقعہ سے سخت دکھ پہنچا اور انھوں نے پوری تحریک واپس لے لی اور اس کی ذمہ داری بھی خود اپنے آپ پر اوڑھ لی۔ اس کے چند روز بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اُن دنوں کانگریس کے صدر حکیم اجمل خاں تھے۔ ان کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ پنڈت موتی لال نہرو ڈاکٹر انصاری، راج گوپال آچاریہ، وٹھل بھائی پٹیل اور کستوری رنگا آئینگر اس کے رکن تھے۔ اس کمیٹی نے ملک کا دورہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ لوگ ملک میں تحریک ترک موالات اور رسول نافرمانی کرنے کے حق میں تھے یا نہیں۔ جب کمیٹی سفارشات کرنے لگی تو ڈاکٹر انصاری، راج گوپال آچاریہ اور کستوری رنگا نے ترک موالات پر قائم رہ کر کانگریس کی پالیسی میں تبدیلی کی مخالفت، کی جب کہ حکیم اجمل خاں، موتی لال نہرو اور وٹھل بھائی پٹیل کی رائے تھی کہ انھیں ۱۹۱۹ء کے نئے قانون کے تحت اسمبلیوں کے الیکشن میں حصہ لے کر مجلس قانون ساز کے اندر حکومت کی مخالفت کرنی

www.taemeernews.com

چاہیے۔ اس طرح کانگریس تبدیلی کے حامیوں یعنی پروچینجرس اور تبدیلی کے مخالفوں یعنی نوچینجرس میں بٹ گئی۔ جب ۱۹۲۲ء میں دیش بندھو چترنجن داس کانگریس کے صدر بنے اور جیل سے رہا ہو کر باہر آئے تو وہ بھی تبدیلی کے حامیوں میں شامل ہو گئے۔ دونوں گروہوں کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی اور اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ ستمبر ۱۹۲۳ء میں دلّی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں کانگریس کا خصوصی اجلاس منعقد نہیں ہو گیا۔ مولانا آزاد کانگریس کی صدارت کرنے والے سب سے کم عمر صدر تھے جن کی عمر اس وقت صرف پینتیس ۳۵ سال تھی۔ مولانا نے اجلاس سے پہلے کانگریس کے دونوں گروہوں میں مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ انھوں نے ان کے رہنماؤں سے بات چیت کی۔

پہلے انھوں نے دلّی، بمبئی اور کلکتہ میں میٹنگیں منعقد کیں اور ان میں مسئلہ کو پیش کیا اور دونوں گروہوں میں مصالحت کے لیے اپنی تجویز پیش کی۔ وہ دونوں گروہوں کے رہنماؤں کو منانے میں کامیاب ہو گئے۔

جب مولانا نے ستمبر ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے خصوصی اجلاس کی صدارت کی تو غیر ملکی حالات میں تبدیلی آ چکی تھی۔ ترکی میں مصطفےٰ کمال اتاترک نے ایک نئی سیاست کا آغاز کر دیا تھا۔ انھوں نے ترکی سے غیر ملکی فوجوں کو باہر نکال کر اسے غیر ملکیوں کے پنجے سے ہمیشہ کے لیے آزاد کرا لیا تھا۔ ترکی کی اس فتح پر جگہ جگہ خوشیاں منائی جا رہی تھیں اس لیے مولانا نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ اگر ترکی سے باہر ترکی کی فتح کے لیے کسی کو مبارک باد دی جا سکتی ہے تو وہ صرف مہاتما گاندھی ہیں جو جیل میں تھے کیونکہ گاندھی جی نے ترکی کی موافقت میں اس وقت آواز اٹھائی تھی جب خود ترکی کے اندر اس کے لیے کسی نے آواز بلند نہیں کی تھی۔ مولانا نے کہا:

> "..... آج مشرق کے ایک ایک گوشہ سے ہندستان کے لیے عزّت و احترام کی صدائیں اٹھ رہی ہیں۔ قسطنطنیہ میں اس کا نام اس

www.taemeernews.com

طرح لیا جاتا ہے گویا وہ مشرق کی آزادی کا علمبردار ہے۔ قاہرہ کے بازاروں سے صدائیں اٹھ رہی ہیں کہ اللّٰہُ یَنصُرُکَ یا غاندی (اے گاندھی خدا تجھے فتح مند کرے) یہ فی الحقیقت آزاد قوموں کی سی عزت ہے جو محکوم ہندستان نے حاصل کر لی ہے اور یہ بلاشبہ اسی تحریکِ خلافت کا نتیجہ ہے۔"

مولانا ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی رہے۔ انھوں نے اپنی تحریر اور تقریر دونوں کے ذریعہ ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد کے لیے آواز بلند کی۔ وہ ہندستان کے ہر مسئلہ کا حل اسی عمل میں پاتے تھے۔ ان کے نزدیک ہندو مسلم ملاپ کے بغیر ہندستان کی آزادی ممکن نہیں تھی مگر یہی مسئلہ پوری تحریک کی راہ میں دیوار بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بعض اوقات مولانا اس اتحاد کو آزادی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کہا:

"۔۔۔۔ آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج چوبیس گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے، بشرطیکہ ہندستان ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے تو میں سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا مگر اس سے دست بردار نہ ہوؤں گا کیونکہ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہے۔"

اس طرح مولانا اتحاد کو انسانیت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اسی کے ساتھ عدم تشدد کے اصول میں ان کا یقین پختہ تھا۔ عدم تشدد پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"یہ کوئی نئی تعلیم نہیں ہے۔ کمزور افراد اور جماعتیں جب کبھی مسلح مقابلہ سے مجبور ہوئی ہیں تو انھوں نے اسی طریقہ کو اپنے مقاصد کی

www.taemeernews.com

حفاظت کا تنہا ذریعہ پایا ہے مذہب، اخلاق اور قومیت کی یہ متفقہ آواز دنیا کی بہت پرانی چیز ہے کہ مصیبت برداشت کرو مگر حق سے مُنہ نہ موڑو۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب اور تعلیم کی ابتدا کمزوری اور بے بسی میں صرف یہی اصولِ ثبات و قرار کا ذریعہ ہوا ہے۔ ہم اس کا عکس سقراط کے جامِ زہر میں دیکھتے ہیں۔ یروشلم کی صلیب پر نقش پاتے ہیں اور مکّہ کی گلیوں میں بھی اس کا غلغلہ سنائی دے چکا ہے مسیحی مذہب کی ابتدائی دو صدیاں تمام تر اسی کا افسانہ ہیں۔ روم کے قیصر سیویرس کے زمانہ میں جب کہ مسیحی چرچ کی ابتدائی بنیادیں ظلم و ستم کے طوفان سے ہل رہی تھیں یہی اصول تھا جس کی غیر مسخّر قوّت اسے تھامے رہی۔"

مولانا نے تاریخ کے صفحات کو دہراتے ہوئے بتایا کہ موجودہ دور میں اسی خیال کو روس میں ٹالسٹائی نے ظاہر کیا تھا۔ دراصل عدم تشدّد کی اصل روح یہ تھی کہ جنگ اور انسانوں کے قتل کا خاتمہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ خیال ٹالسٹائی نے ظاہر کیا تھا مگر اسے عملی شکل مہاتما گاندھی نے دی تھی۔ مولانا کے نزدیک عدم تشدّد ایک سیاسی دستورالعمل تھا جس کی بنیاد حقیقت اور سچائی پر تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے اس اصول کو اپنایا۔ اس کا تجربہ کیا اور اس تجربہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس طرح مولانا نے خلافت اور ترکِ موالات کی تحریک کے تجربہ کی کامیابی، عدم تشدّد کے اصول کی کامرانی اور ہندو مسلم اتحاد کی پختگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

کونسلوں میں داخلہ کے سوال پر مولانا نے اپنی مصالحت کی تجویز کی روشنی میں یہ طے کیا کہ ایک طرف تو "ہماری جماعت کونسلوں میں چلی جائے، دوسری طرف باہر بھی سرگرمیاں جاری رہیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی دونوں جگہ کی نگرانی کرے اور ایک نظام کے ماتحت دونوں جگہ کام ہو۔" اس طرح مولانا کی کوششوں سے

www.taemeernews.com

کانگریس کے دونوں گروہوں میں اتحاد قائم ہوگیا اور سوراج پارٹی کو کانگریس کی نگرانی میں کام کرنے کی اجازت مل گئی۔

اگرچہ مولانا نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کی تھی اور اسے عملی شکل دینے کے سلسلہ میں بڑی کاوشیں کی تھیں تاہم ملک ۱۹۲۴ء میں پورے سال فسادات کی آگ میں جھلستا رہا۔ مولانا ہر فساد زدہ علاقہ کا دورہ کرتے، لوگوں کو سمجھاتے، ان کے اختلاف مٹاتے اور ہندستان کی آزادی کا خواب دیکھتے رہے۔ اسی سال ستمبر اکتوبر میں مہاتما گاندھی نے فسادات سے تنگ آکر اکیس روز کا برت رکھا جس نے قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ملک کے رہنماؤں نے فوراً دلی میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مولانا اس کی تمام اہم کمیٹیوں کے ممبر تھے اس کانفرنس کے ذریعہ ایک پنچایت قائم کی گئی جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ختم کرائے۔ مولانا نے اس میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

اسی سال کانگریس کا اجلاس بیلگام میں ہوا۔ صدارت مہاتما گاندھی نے کی۔ اس اجلاس میں کونسل میں داخلہ کے سلسلہ میں مولانا کی تجویز کو کانگریس نے منظوری دے دی۔ اس زمانہ میں مولانا کا تمام تر وقت ملک کا دورہ کرنے، آل پارٹیز کانفرنس، جمعیۃ العلماء کے اجلاس کی صدارت اور ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کرنے کی سرگرمیوں میں گزرا۔ اسی دوران میں جون ۱۹۲۵ میں انھیں ایک صدمہ سے دو چار ہونا پڑا جو دیش بندھو چترنجن داس کی وفات کے سبب انھیں پہنچا تھا۔ دیش بندھو کی موت کو انھوں نے ملک کے بڑے نقصان سے تعبیر کیا۔

مولانا نے ہندو مسلم مسائل کو حل کرنے کی غرض سے پنڈت موتی لال نہرو کے ساتھ مل کر انڈین یونین نامی ایک انجمن بھی بنائی۔ جو ایک غیر سیاسی جماعت تھی۔ انھوں نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کے سلسلہ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ دراصل برطانوی حکومت نے اس کمیشن کا تقرر ۱۹۲۷ء میں کیا تھا جس کے سات ممبر تھے۔ یہ سبھی ممبر برطانوی تھے۔ اس میں ہندستان کا کوئی نمایندہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اس تقرر سے ہندستان کے لوگ ناخوش تھے۔ یہ کمیشن ہندستان کے لیے

www.taemeernews.com

آئینی ڈھانچہ تجویز کرنے کے لیے مقرر ہوا تھا اور سرجان سائمن اس کے چیئرمین تھے۔ اس لیے ہندستان کی تقریباً سبھی سیاسی جماعتوں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا نے اس سلسلہ میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور انھیں کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کے لیے تیار کیا۔ اسی طرح مولانا نے پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں بنائے جانے والے آئین کو عوام سے منظور کروانے میں خاصی محنت کی جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے۔

مارچ ۱۹۳۰ء میں مہاتما گاندھی نے قانون توڑنے کا فیصلہ کیا تاکہ حکومت ہندستان کو مکمل آزادی دینے پر مجبور ہو جائے۔ ۱۹۲۹ء کے دسمبر میں جواہر لال کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں کانگریس نے آزادیٔ کامل کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا اور اب اسی آزادی کے حصول کی خاطر مہاتما جی نے احمد آباد میں اپنے آشرم سے پیدل چل کر ڈانڈی تک کا سفر کرنا طے کیا۔ جو تاریخ میں ڈانڈی مارچ کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے یہ سفر چوبیس دن میں پورا کیا اور ۶ر اپریل کو سمندر میں غوطہ لگا کر نمک بنانے کا قانون توڑا۔ قانون کی رُو سے حکومت کے علاوہ کوئی شخص نمک نہیں بنا سکتا تھا اسی لیے مہاتما گاندھی نے نمک بنا کر قانون کو توڑا اور پورے ملک کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر کیا تھا جگہ جگہ قانون توڑے جانے لگے مگر حکومت بھی قانون توڑنے والوں سے جیلوں کو بھرتی رہی۔ مہاتما گاندھی گرفتار کر لیے گئے اور مولانا آزاد بھی میرٹھ میں ستیہ گرہ کرتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔ ان دنوں مولانا کانگریس کے ڈکٹیٹر تھے۔ اپنی گرفتاری پر انھوں نے ڈاکٹر انصاری کو ڈکٹیٹر نامزد کیا اور خود میرٹھ جیل چلے گئے۔ وہاں انھوں نے "ترجمان القرآن" کو پورا کرنے میں اپنا وقت گزارا۔ ۱۹۳۱ء میں اروِن گاندھی معاہدہ کے تحت انھیں رہا کر دیا گیا۔ یہ معاہدہ وائسرائے لارڈ اروِن اور مہاتما گاندھی کی بات چیت کے نتیجہ میں ہوا تھا۔ اس کی رو سے حکومت نے قیدیوں کو رہا کرنا منظور کیا، شراب کی دکانوں پر دھرنا دینے

www.taemeernews.com

کی اجازت دے دی، مظالم نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ کانگریس کی طرف سے مہاتما جی نے دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہونا منظور کیا۔ پہلی گول میز کانفرنس لندن میں ۱۹۳۰ء کے اخیر میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں کانگریس کا کوئی نمایندہ موجود نہ تھا مگر ہندستان کی مختلف جماعتوں کے نمایندے شریک ہوئے تھے تاکہ ہندستان کے لیے ایک آئینی ڈھانچہ تیار کرسکیں۔ کانگریس کے تقریباً سبھی رہنما جیل میں تھے اس لیے اس نے شرکت سے گریز کیا تھا۔ کانگریس کی عدم شمولیت کو لندن میں بری طرح محسوس کیا گیا تھا کیونکہ ہندستان میں یہی وہ واحد جماعت تھی جس کا پورے ہندستان کی نمایندگی کرنے کا دعوا صحیح تھا۔ ۱۹۳۱ء ہی میں کراچی میں کانگریس کا اجلاس ولبھ بھائی پٹیل کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مہاتما گاندھی کو کانگریس کا نمایندہ بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن مولانا آزاد اس فیصلہ کے خلاف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہاتما گاندھی لندن جاکر گول میز کانفرنس میں شریک ہوں کیونکہ حکومت اور دوسری سبھی سیاسی جماعتیں کانگریس کی مخالف تھیں۔ وہ ضرور آئینی ڈھانچہ کی تیاری کے فیصلہ میں دیوار بن کر کھڑی ہوجاتیں۔ اور وہی ہوا جس کا اندیشہ مولانا کو تھا۔ یعنی مہاتما جی وہاں سے خالی ہاتھ واپس ہوئے۔ اور جب وہ دسمبر کے آخری دنوں میں بمبئی کے ساحل پر اترے تو حکومت ہندستانیوں کے خلاف ظلم کا بازار گرم کرچکی تھی۔ اس کے نتیجہ میں ہندستان کے تقریباً سبھی رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اور کانگریس کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا گیا۔ مولانا آزاد جو کراچی میں جمعیۃ علما کے اجلاس کی صدارت سے فارغ ہوئے تھے انھیں بھی دِلّی کی جیل میں قید کر دیا گیا جہاں سے وہ ایک سال بعد ہی رہا ہوسکے۔

برطانوی حکومت نے ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پاس کرکے ہندستان کے صوبوں کو خود مختاری دے دی۔ کانگریس کی صدارت ان دنوں جواہرلال نہرو کے ذمہ تھی۔ پہلے تو کانگریس نے الیکشن میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا کیونکہ نئے قانون نے صوبوں کے گورنروں کے اختیارات بڑھا دیے تھے اور وہ حکومت کے

www.taemeernews.com

روزمرہ کے کاموں میں دخل اندازی کر سکتے تھے مگر مولانا آزاد کا خیال اس فیصلہ کے خلاف تھا۔ ان کی رائے تھی کہ کانگریس کو الیکشن میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر کانگریس نے الیکشن نہیں لڑا تو دوسرے مخالف عناصر اقتدار میں آجائیں گے اور نمائشی نمایندہ بن کر عوام کو بہکائیں گے۔ مولانا کے نزدیک یہ بہترین موقع تھا جب کانگریس عوام سے رابطہ قائم کر سکتی تھی، ان کے مسائل کو سمجھ سکتی تھی اور صحیح صورت حالات سے انھیں باخبر کر سکتی تھی۔ آخر کانگریس نے مولانا کے خیال سے اتفاق کیا اور الیکشن میں حصہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔

گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں کانگریس کو مکمل اکثریت حاصل ہوئی۔ چار صوبوں میں اگرچہ کسی پارٹی کو مکمل اکثریت نہیں ملی لیکن ان میں بھی کانگریس ہی وہ جماعت تھی جسے سب سے زیادہ نشستیں ملیں۔ البتہ پنجاب اور سندھ ایسے صوبے تھے جن میں کانگریس کو نمایاں کامیابی نہیں ملی تاہم اس شاندار جیت کے باوجود کانگریس اپنی اکثریت والے صوبوں میں حکومت بنانے کے لیے تیار نہ تھی کیونکہ صوبوں کے گورنروں کے بڑھے ہوئے اختیارات انھیں کسی طرح کام نہیں کرنے دیتے مگر مولانا کا خیال تھا کہ کانگریس کو ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے بلکہ حکومت بنانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر حکومت اور کانگریسی وزارتوں کے تعلقات بہتر نہ ہو سکیں تب بھی انھیں حالات کا دلیری سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مولانا کے نزدیک حکومت بنانا یوں بھی ضروری تھا کہ اس کے بغیر کانگریس اپنے پروگرام کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کسی وجہ سے کانگریس کو اقتدار سے ہاتھ دھونے پڑے تب بھی اس کے وقار میں کمی نہیں آئے گی۔ جب کانگریس کمیٹی نے اس مسئلہ پر غور کیا تو مولانا نے اقتدار قبول کرنے کے سلسلہ میں تجویز پیش کی۔ مہاتما گاندھی نے ان سے اتفاق کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس نے اپنے اکثریتی صوبوں میں حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا کے الفاظ میں "یہ ایک تاریخی فیصلہ تھا۔ اب تک تو کانگریس نے ایک منفی پالیسی پر عمل کیا تھا اور اقتدار کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار ہی

www.taemeernews.com

کرتی رہی تھی مگر اب پہلی بار انتظامی ذمہ داری کے سلسلہ میں کانگریس نے ایک مثبت رویہ اپناتے ہوئے حکومت سازی کے بار کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانگریس نے اپنی وزارتوں کی نگرانی کے لیے ایک پارلیمانی بورڈ بنایا جس کے ممبروں میں مولانا آزاد کے ساتھ ڈاکٹر راجندر پرساد اور سردار ولبھ بھائی پٹیل بھی تھے۔ بورڈ کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ کانگریسی حکومتوں کی کارکردگی پر نظر رکھے، ان کی غلطی پر انھیں ٹوکے، انھیں صحیح مشورہ دے اور ان کے مسائل کو سلجھائے۔

مولانا نے پارلیمانی بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے یوپی اور بہار میں حکومت بنانے کے سلسلہ میں کانگریس کی رہنمائی کی اور دوسرے صوبوں میں کانگریسی حکومتوں کی پریشانیوں کو دور کیا اپنے دور حکومت میں کانگریس نے جہاں بہت سے تاریخی فیصلے کیے وہاں سب سے اہم کام یہ کیا کہ صوبوں سے زمینداری کا خاتمہ کر دیا اور زراعتی قرضوں کو معاف کر دیا۔ مولانا نے اس پورے عرصہ میں کانگریسی وزارتوں کی رہنمائی کی اور انھیں غلط راہ پر بھٹکنے سے بچایا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ وہ تمام پیچیدہ مسئلوں کو بآسانی سلجھانے میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ انھوں نے اپنے آپ کو کبھی کانگریس کے کسی مخصوص گروہ سے وابستہ نہیں کیا بلکہ ہر گروہ کے سلسلہ میں انھوں نے غیر جانب داری کا رویہ اپنایا اور انھیں صحیح مشوروں سے نوازا۔ مگر کامیابی کے ساتھ کام کرنے کے باوجود کانگریسی حکومتوں کو اپنی میعاد پوری کرنے سے پہلے ہی استعفا دے دینا پڑا۔ ہوا یوں کہ ۱۹۳۹ء کے ستمبر میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔ برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور ہندستان کی مرکزی مجلس قانون ساز اور ہندستان کے سیاسی رہنماؤں سے مشورہ کیے بغیر ہندستان کو بھی جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔ برطانوی حکومت کے اس نامناسب رویہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کانگریسی حکومتوں نے سبھی صوبوں سے احتجاج کے طور پر استعفا دے دیا۔ اگرچہ وزارت کے ستائیس مہینوں میں کانگریس نے خدمت کے جذبہ سے اقتدار

www.taemeernews.com

سنبھالا تھا اور وہ بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی لیکن مسلم لیگ کو اسے حکمراں کی شکل میں دیکھنا پسند نہ آیا۔ اس لیے اس نے کانگریسی وزارتوں والے صوبوں سے فرضی شکایتیں جمع کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے ان شکایتوں کو پیرپور رپوٹ کے نام سے شائع کیا تاکہ کانگریس بدنام ہو جائے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ اس سلسلہ میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ "کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کا اصل پروپیگنڈا یہی تھا کہ وہ قومی انجمن ہونے کا ڈھونگ رچاتی ہے" جب کانگریس نے اس کی پروا نہ کی تو مسلم لیگ نے یہ الزام عائد کیا کہ کانگریسی وزارتوں نے اقلیتوں کے ساتھ نہ صرف ناانصافی کی بلکہ ان پر ظلم بھی توڑے۔ پارلیمانی بورڈ کے ذمہ دار ممبر کی حیثیت سے مولانا لکھتے ہیں کہ "میں اپنی نجی معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ الزامات قطعی طور پر بے بنیاد تھے اور یہی خیال وائسرائے اور مختلف صوبوں کے گورنروں کا بھی تھا۔ . . اگر ان الزامات میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو میں اس ناانصافی کو نہ صرف دور کرتا بلکہ میں تو اس مسئلہ پر مستعفی ہونے تک کے لیے تیار تھا۔" تاہم جب کانگریس نے اقتدار سے علاحدگی اختیار کی تو مسلم لیگ نے پورے ملک میں "یوم نجات" منایا۔

www.taemeernews.com

کانگریس کی صدارت

دوسری جنگ عظیم نے دنیا کے بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ پورے ماحول میں تناؤ تھا۔ دل کا سکون ختم ہوگیا تھا۔ بے اطمینانی اور بے چینی ہر چہرے پر برس رہی تھی۔ حالات کیا کروٹ لیں گے کسی کو پتا نہ تھا۔ کانگریس اقتدار کی بھوکی نہ تھی۔ وہ اپنے اصولوں پر قائم تھی۔ اس نے ہندستانیوں سے دریافت کیے بغیر ہندستان کو جنگ میں جھونک دینے کے برطانیہ کے فیصلہ کے خلاف صوبوں کی وزارتوں سے استعفا دے دیا تھا۔ مسلم لیگ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کانگریسی حکومتوں کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر ان کے مستعفی ہو جانے کے بعد 'یوم نجات' منا لیا تھا۔ ایسے غیر یقینی حالات میں کانگریس کی صدارت کا بار قوم نے ایک بار پھر مولانا آزاد کے کاندھوں پر رکھ دیا۔ مولانا سترہ برس پہلے ۱۹۲۳ء میں پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں کانگریس کے خصوصی اجلاس کی صدارت کر چکے تھے اس وقت انھوں نے کانگریس کو دو گروہوں میں بٹنے سے بچا لیا تھا۔ لوگ ان کی دانش مندی اور اہلیت کے قائل تھے اور کئی بار اُن سے صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کر چکے تھے مگر مولانا ہر بار ٹال

www.taemeernews.com

جاتے تھے اب حالات کی نوعیت بدل گئی تھی۔ ملک بہت بڑے خطرے سے دوچار تھا۔ ایسے حالات میں جب مہاتما گاندھی نے مولانا سے کانگریس کی صدارت کے لیے درخواست کی تو انھوں نے اسے قبول کرلیا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں بہار میں رام گڑھ نام کے مقام پر کانگریس کا اجلاس ہوا۔

اپنے صدارتی خطبہ میں مولانا نے گزرے ہوئے برسوں میں ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا۔ برطانوی حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی کی۔ ملکی حالات پر روشنی ڈالی اور بین الاقوامی صورت حال پر تبصرہ کیا۔ انھوں نے ان تمام پالیسیوں کا ذکر کیا جو حالات کے پیش نظر وقتاً فوقتاً کانگریس نے اپنائی تھیں۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہندستان اگر فاشزم اور نازی ازم سے بیزار تھا تو ساتھ ہی وہ برطانیہ کی شہنشاہیت سے بھی بیزار تھا جس نے اسے آزادی کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ اس لیے ہندستانیوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ جنگ میں برطانیہ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اسی بنیاد پر کانگریسی وزارتیں صوبوں سے مستعفی ہوئی تھیں۔ فاشزم اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی کی پالیسی کا نام تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اطالوی قوم سب سے برتر ہے، اس کا ایک ہی لیڈر ہے جسے مسولینی کہا جاتا ہے اور جس کا ایک ہی پرچم ہے جس کے نیچے سب کو جمع ہونا ہے۔ اسی طرح نازی ازم جرمن قوم کو سب سے برتر سمجھتا تھا اور اس کے بھی وہی اصول تھے جو فاشزم کے تھے۔ اس کا بانی ہٹلر تھا۔ ان دونوں پالیسیوں میں لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار کی آزادی نہ تھی۔ انھیں ہر بات کے لیے مجبور کیا جاسکتا تھا فاشزم اور نازی ازم کی اسی پالیسی نے جرمنی اور اٹلی کو برطانیہ کے خلاف اکسایا تھا۔ اسی لیے مولانا آزاد اگرچہ نازی ازم اور فاشزم کے مخالف تھے مگر ساتھ ہی وہ برطانیہ کے بھی مخالف تھے جس نے ہندستانیوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا تھا۔ برطانیہ یوں تو دنیا بھر میں اعلان کر رہا تھا کہ وہ نازی ازم اور فاشزم کے خلاف جنگ کر رہا ہے تاکہ جمہوریت کی حفاظت کرسکے مگر وہ اسی جمہوریت سے ہندستان کو محروم رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے

www.taemeernews.com

مولانا نے اعلان کیا کہ کانگریس نے حکومت کے ساتھ تعاون کے لیے جو قدم ۱۹۳۱ء میں اٹھایا تھا وہ اسے واپس لیتی ہے۔ اب حکومت کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کیا جائے گا۔

حکومت برطانیہ ہندستان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے بار بار کہا کرتی تھی کہ اس ملک کی اکثریت سے دوسری اقلیتوں کو بچانا، انھیں انصاف دلانا، ان کے حقوق کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہے اور اسی کو بہانہ بنا کر وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑاتی رہی۔ مولانا نے حکومت کی اس پالیسی کی شدید مذمت کی۔ دراصل حکومت ہندستان کی آزادی کے سوال کو ٹالنا چاہتی تھی اور دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ ہندستان کے مسئلہ کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اقلیتوں کی حفاظت یقینی نہ ہو جائے مولانا نے کہا کہ کانگریس ہمیشہ کہتی رہی ہے کہ جب بھی آزاد ہندستان کا آئین بنایا جائے گا تو اس میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت ہوگی اور اقلیتیں خود یہ طے کریں گی کہ انھیں کن کن باتوں کی ضمانت درکار ہے۔ اس صورت میں برطانوی حکومت کا رویہ بالکل غلط ہے اور نامناسب بھی۔

مولانا نے کہا کہ 'اکثریت' اور 'اقلیت' کے نظریات حکومت نے پیدا کیے ہیں۔ اس نے ہمیشہ لوگوں پر یہی ظاہر کیا کہ ہندستان میں دو قومیں آباد ہیں، ایک ہندو دوسری مسلمان، ایسی ہی باتوں کو بنیاد بنا کر حکومت دونوں کے درمیان اختلافات پیدا کرتی رہی۔ انھوں نے کہا کہ اگر اقلیتیں یا مسلمان حکومت کی بات پر دھیان دیتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ آزاد ہندستان کا آئین جمہوری ہوگا اور وفاقی بھی۔ وفاقی دستور اسے کہتے ہیں جس میں مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم ہو اور صوبائی حکومتیں خود مختار ہوں۔ اس لیے ان کے اندیشے اور ان کی پریشانیاں بے سود تھیں۔ مولانا نے مسلمانوں سے کہا:

"میرے جن ہم مذہبوں نے ۱۹۱۲ء میں میری صداؤں کو قبول کیا تھا

www.taemeernews.com

مگر آج انھیں مجھ سے اختلاف ہے، میں انھیں اس اختلاف کے لیے ملامت نہیں کروں گا۔ مگر میں ان سے اخلاص اور سنجیدگی سے اپیل کروں گا۔ یہ قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا معاملہ ہے۔ ہم اسے وقتی جذبات کی رو میں بہ کر طے نہیں کر سکتے۔ ہمیں زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی بنا پر اپنے فیصلوں کی دیواریں تعمیر کرنی ہیں۔ ایسی دیواریں روز بنائی اور ڈھائی نہیں جا سکتیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بدقسمتی سے وقت کی فضا غبار آلود ہو رہی ہے مگر ہمیں حقیقت کی روشنی میں آنا چاہیے۔ وہ آج بھی ہر پہلو سے معاملہ پر غور کر لیں، وہ اس کے سوا کوئی راہ عمل اپنے سامنے نہیں پائیں گے۔"

مولانا کا یہ خطاب ان مسلمانوں سے تھا جو مسلم لیگ میں شامل ہو کر کانگریس کے خلاف اپنے اندیشے ظاہر کرتے رہتے تھے اور حکومت کے اشاروں پر مذہب کی دہائی دیتے تھے۔ مولانا نے بالکل صاف لفظوں میں کہا:

"میں مسلمان ہوں، اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں۔ میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرہ میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی۔ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندستانی ہوں۔ میں ہندستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اُس متحدہ

www.taemeernews.com

قومیت کا ایک ایسا عنصر ہوں۔ جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔"

اس طرح مولانا نے اعلان کیا کہ جہاں وہ ایک طرف مسلمان ہیں اور اسلام کی روایات اور ورثہ کے امین ہیں وہیں وہ ایک ہندستانی بھی ہیں اور پورے ہندستان پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مولانا نے تاریخ کی روشنی میں بتایا کہ جب مسلمان اس ملک میں آئے تو پھر واپس نہیں گئے۔ وہ یہیں کے ماحول میں رچ بس گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ انھوں نے کہا:

"یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملاپ تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اسی دن سے قدرت کے غیبی ہاتھوں نے پرانے ہندستان کی جگہ ایک نئے ہندستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔"

مسلمانوں کی ہندستان میں آمد نے یہاں کی تہذیب پر بھی اثر ڈالا اور تمدن پر بھی۔ مسلمانوں نے اپنی وراثت ہندوؤں کے سپرد کر دی اور ان کی چیزیں خود اپنے لیے محفوظ کر لیں۔ اس طرح ایک نئی تہذیب کا ظہور ہوا۔ مولانا نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

"ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے۔ یہ زمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی۔ ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام دیا۔"

www.taemeernews.com

مولانا کے نزدیک ہندستان کے گوشہ گوشہ میں مسلمان آباد تھے اور ملک کے چپہ چپہ پر ان کا حق بالکل اسی طرح تھا جس طرح کہ دوسروں کا۔ اس سلسلہ میں مولانا نے کہا:

"تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں۔ اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعوا رکھتا ہے جیسا دعوا ہندو مذہب کا ہے اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے۔ جس طرح آج ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندستانی ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے، ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔"

اسلام اور ہندستان کے گہرے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے آگے کہا:

"ہماری گیارہ صدیوں کی مشترک، ملی جلی تاریخ نے ہماری ہندستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے۔ ہماری زبانیں، ہماری شاعری، ہمارا ادب، ہماری معاشرت، ہمارا ذوق، ہمارا لباس، ہمارے رسم و رواج، ہماری روزانہ زندگی کی بے شمار حقیقتیں، کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ گئی ہو۔ ہماری بولیاں الگ الگ تھیں مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگے۔ ہمارے رسم و رواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے مگر انھوں نے مل جل کر ایک نیا سانچہ پیدا کر لیا۔ ہمارا پرانا لباس تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اب وہ ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا۔ یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت

www.taemeernews.com

ہے اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانے کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع ہوئی تھی۔ ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں، جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ کبھی پورا ہونے والا نہیں۔ اسی طرح اگر ایسے مسلمان دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی اس گزری ہوئی تہذیب اور معاشرت کو پھر تازہ کریں جو وہ ایک ہزار پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے بھی کہوں گا کہ وہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں، بہتر ہے کیونکہ یہ ایک غیر قدرتی تخیل ہے اور حقیقت کی زمین میں ایسے خیالات اُگ نہیں سکتے۔ میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ تجدید کی مذہب میں ضرورت ہے مگر یہ معاشرت میں ترقی سے انکار کرتا ہے۔"

مولانا کے نزدیک ہندستان کی اس ملی جُلی تہذیب کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی دھرتی کے لال تھے دونوں کے دکھ اور سکھ برابر تھے۔ یہ تہذیب قدرت کی دین تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کہا:

"ہماری اس ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے۔ ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے، وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خود بخود بنا کرتے ہیں۔ اب یہ سانچہ ڈھل چکا اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندستانی قوم، اور ناقابل تقسیم ہندستانی قوم بن چکے ہیں۔ علاحدگی کا کوئی بنا دی تخیل ہمارے اس ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔ ہمیں قدرت کے فیصلے پر رضامند ہونا چاہیے اور اپنی

www.taemeernews.com

قسمت کی تعبیر میں لگ جانا چاہیے۔"

مولانا کی تقریر کے یہ حصے کس قدر وزنی ہیں کہ آج تک ان کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ جس قدر مولانا کے عہد میں ضروری اور تازہ تھے اتنے ہی ضروری اور تازہ آج بھی ہیں۔ انھوں نے ان مسلمانوں کو سخت جواب دیا تھا جو حکومت کے اشارہ پر ہندستان میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ قوم سمجھتے تھے۔ جب کہ مولانا کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ ملک میں رہنے والے ہر فرقہ کے لوگ ایک گلدستہ کی طرح تھے جس میں طرح طرح کے پھول لگائے گئے تھے اور ہر پھول گلدستہ میں رہ کر ہی اپنی خوبصورتی قائم رکھ سکتا تھا۔ اس طرح مولانا کا خطبہ بڑا تاریخی تھا۔ مگر مسلم لیگ کو مولانا کا صدر بننا پسند نہ آیا اور نہ ہی ان کے صدارتی کلمات۔ ادھر ۲۰ مارچ ۴۰ء کو مولانا نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے متحدہ قومیت کی وکالت کی ہی تھی کہ اُدھر اس کے تیسرے ہی دن یعنی ۲۳ مارچ کو مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں ایک اسلامی ملک کے قیام اور ہندستان کے بٹوارہ کا مطالبہ کر دیا۔ اس طرح کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مولانا کا مقابلہ ایک طرف تو برطانوی حکومت سے تھا تو دوسری طرف مسلم لیگ سے جو کسی طرح کانگریس کو مسلمانوں کی جماعت نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا دعوا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت تھی۔

برطانوی حکومت کے خلاف کانگریس کی جدوجہد مولانا کی رہنمائی میں پھر شروع ہو گئی۔ مولانا جنگ کے خلاف ہندستان میں ایک بڑی تحریک چلانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس بڑے پیمانہ پر تحریک چلانے میں تشدد کا خطرہ تھا اس لیے مہاتما گاندھی کے مشورہ پر کانگریس نے ایک محدود سیتہ گرہ کی تحریک ۱۹۴۰ء میں شروع کر دی جسے انفرادی ستیہ گرہ کا نام دیا گیا اس تحریک کے تحت ایک ایک شخص جنگ کے خلاف تقریر کرتے ہوئے گرفتار ہوتا گیا۔ گرفتار ہونے والوں کی فہرست پہلے ہی بنا لی گئی تھی۔ اس کے مطابق سب سے پہلے ونوبا بھاوے نے گرفتاری کے لیے خود کو پیش کیا، اس کے بعد جواہر لال نہرو

www.taemeernews.com

گرفتار ہوئے اور پھر اسی طرح دوسروں کی باری آتی گئی۔ اگرچہ مولانا کا نمبر نہیں آیا تھا تاہم جب وہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے تو الہ آباد کے اسٹیشن پر انھیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور دو سال کے لیے نینی جیل بھیج دیا گیا جہاں سے وہ اپنی مدت سے پہلے ہی یعنی دسمبر ۱۹۴۱ء میں رہا کر دیے گئے۔

اس دوران میں جنگ نے ایک نیا موڑ لے لیا جرمنی ہر محاذ پر جیتنے لگا اور مغربی ملک اس سے شکست کھانے لگے۔ مسلسل کامیابی نے اس کے حوصلے اس قدر بلند کر دیے کہ اس نے جون ۱۹۴۱ء میں سوویت روس پر بھی حملہ کر دیا اور اسی سال دسمبر میں پرل ہاربر نامی امریکی بندرگاہ پر حملہ کر کے امریکہ کو بھی جنگ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح جنگ نے عالمی جنگ کی بھیانک شکل اختیار کر لی۔ ادھر جاپان کی فوجیں برطانیہ کے خلاف برما تک پہنچ گئیں اور انھوں نے انڈمان اور نکوبار پر قبضہ کر لیا ایسی صورت میں امریکہ نے برطانوی حکومت پر زور ڈالا کہ وہ ہندستان کے رہنماؤں سے بات چیت کر کے انھیں جنگ میں تعاون کے لیے تیار کرے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندستان کے رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا ان میں مولانا بھی شامل تھے مگر اس بار رہائی پر مولانا کو کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ جنگ کے دو سال گزر جانے کے باوجود ہندستان کی آزادی کے حصول کے سلسلہ میں کانگریس کو کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسی دوران میں چین کے صدر چیانگ کائی شیک نے ہندستان کا دورہ کیا۔ ان کی بیگم میڈم چیانگ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے مولانا سے بھی ملاقات کی اور حکومت پر زور دیا کہ وہ ہندستان کی آزادی کو تسلیم کرے۔

اس دباؤ سے مجبور ہو کر حکومت نے اپنے ایک نمایندہ سر اسٹیفورڈ کرپس کو ۱۹۴۲ء کے آغاز میں ہندستان بھیجا تاکہ وہ یہاں کے رہنماؤں سے بات چیت کریں۔ سر کرپس پہلے بھی ہندستان آ چکے تھے اور یہاں کے لیڈروں سے مل کر ان کے خیالات برطانیہ کے وزیر اعظم ونسٹن چرچل کو بتا چکے تھے۔ اس لیے جب اس مرتبہ وہ دوبارہ ہندوستان آئے تو لوگوں نے ان سے بڑی امیدیں وابستہ کر لیں۔ کانگریس

www.taemeernews.com

کے صدر کی حیثیت سے مولانا نے سر کرپس سے بات چیت کی لیکن ان کی پیش کش مولانا کو قبول نہ تھی۔ اس میں جنگ کے بعد ہندستان کو آزادی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ساری باتیں غیر واضح تھیں۔ اس لیے کانگریس نے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک ہندستان کو آزادی نہیں دے دی جاتی تب تک وہ جنگ میں مدد کرنے سے معذور ہے۔

www.taemeernews.com

آخری قید

کرپس مشن کے ناکام ہوجانے کے بعد گاندھی جی نے مولانا سے "ہندستان چھوڑو" تحریک چلانے کے سلسلہ میں گفتگو کی مگر مولانا کو یقین تھا کہ جنگ میں برطانیہ بری طرح الجھ چکا ہے اس لیے وہ کسی صورت میں ہندستان کے لوگوں کو کوئی بڑی تحریک چلانے نہیں دے گا اور لیڈر گرفتار کر لیے جائیں گے۔ لیڈروں کے جیل چلے جانے پر عوام قیادت اور رہنمائی سے محروم ہو جائیں گے ایسی صورت میں وہ تشدد کا سہارا بھی لے سکتے تھے جس سے تحریک کا مقصد پورا نہیں ہوتا مگر مہاتما گاندھی کا خیال تھا کہ حکومت تحریک چلانے والوں کو گرفتار نہیں کرے گی۔

۸ر اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگریس کا تاریخی اجلاس مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں مہاتما گاندھی نے "کرو یا مرو" کا نعرہ دیتے ہوئے اپنی تاریخی قرارداد "ہندستان چھوڑو" پیش کی اس میں انگریزی حکومت سے کہا گیا تھا کہ وہ اقتدار ہندستانیوں کے حوالہ کر دے اور انگریزوں سے کہا گیا تھا کہ وہ ہندستان چھوڑ کر چلے جائیں اور ہندستان کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کچھ لوگوں کو چھوڑ کر 'ہندستان چھوڑو' سے متعلق قرارداد بڑی اکثریت سے منظور ہوگئی۔ اجلاس میں شرکت کے بعد جب مولانا اپنے میزبان بھولا بھائی دیسائی کے مکان پر پہنچے تو انھیں پتا چلا کہ ان کی گرفتاری کی افواہ گرم ہے۔ مولانا بغیر کسی پریشانی کے بستر پر لیٹ گئے۔ صبح جب انھیں جگایا گیا تو پولیس کا ڈپٹی کمشنر ان کی گرفتاری

www.taemeernews.com

کا وارنٹ لیے دروازہ پر حاضر تھا۔ مولانا نے بڑے اطمینان سے چائے پی، کچھ خط لکھے اور صبح پانچ بج کر پینتالیس منٹ پر پولیس کی کار میں جا بیٹھے انھیں بمبئی کے وکٹوریہ ٹرمینس اسٹیشن لے جایا گیا کانگریس کے دوسرے لیڈر بھی وہاں آپہنچے تھے جن میں جواہر لال نہرو، آصف علی اور ڈاکٹر سید محمود بھی شامل تھے۔ پلیٹ فارم بالکل سونا پڑا تھا اگرچہ اس وقت وہاں ہزاروں انسانوں کو آجانا چاہیے تھا لیکن پولیس نے احتیاط سے سب کو پلیٹ فارم سے دور رکھ کر وہاں ہجوم کو اکٹھا ہونے سے روک دیا تھا۔ تمام کانگریسی رہنماؤں کو ایک ٹرین میں بٹھا دیا گیا تب انھیں معلوم ہوا کہ مہاتما گاندھی بھی اسی ٹرین سے سفر کر رہے تھے۔

پہلے افواہ تھی کہ ان سب کو جنوبی افریقہ لے جایا جائے گا مگر جب ٹرین پونا کے اسٹیشن پر پہنچی تو مہاتما گاندھی کو اتار لیا گیا اور دوسرے لیڈروں کو احمد نگر لے جاکر وہاں کے مشہور قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ یہ مولانا کی چھٹی گرفتاری تھی جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا تھا لیکن اس مرتبہ قید کی میعاد معلوم نہ تھی کیونکہ حکومت نے نہ تو ان پر مقدمہ چلایا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی قسم کا الزام قائم کیا اس طرح یہ قید دوسری گرفتاریوں سے مختلف تھی جس میں ملزم تو تھا مگر نہ عدالت تھی اور نہ سزا کی میعاد۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ اب ان کی نگرانی کے لیے فوجی افسر مقرر تھے۔

مولانا کے جیل کے ساتھیوں میں جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، آچاریہ کرپلانی، بیرسٹر آصف علی، گووند ولبھ پنت، شنکر راؤ دیو، پٹا بھی سیتا رمیہ، پرفل چندر گھوش، آچاریہ نریندر دیو اور ڈاکٹر سید محمود شامل تھے۔ قلعہ کے اندر ایک احاطہ تھا جو دو سو فیٹ لمبا اور ڈیڑھ سو فیٹ چوڑا تھا۔ اس کے تینوں طرف کئی کمرے تھے جو بارک بن گئے تھے قطار کا پہلا کمرہ مولانا کے حصہ میں آیا۔ کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی مولانا چارپائی پر دراز ہو گئے کیونکہ بمبئی کی مصروفیت اور سفر کی تکان نے بے حال کر دیا تھا۔ خود مولانا کے الفاظ میں "نو مہینے کی نیند اور تھکن میرے ساتھ بستر پر گری .... تقریباً تین بجے سے چھ بجے تک سوتا رہا۔ یہی حال تقریباً سبھی رہنماؤں

www.taemeernews.com

کا رہا پھر یہ تمام لوگ دن میں چار مرتبہ ایک جگہ اکٹھا ہونے لگے، صبح آٹھ بجے ناشتے کے لیے، گیارہ بجے دن کو دوپہر کے کھانے کے لیے، چار بجے شام چائے کے لیے اور آٹھ بجے رات میں کھانے کے لیے۔

دن کا کھانا کھا کر سبھی ساتھی مولانا کے کمرہ میں جمع ہو جاتے جہاں مختلف مسائل پر ان کی بات چیت ہوتی، شام کی چائے کے بعد ورزش کی جاتی اور رات کے کھانے کے بعد دس بجے تک ڈائننگ روم میں جمع ہو کر تمام لیڈر مختلف موضوعات پر بحث مباحثہ کرتے۔ اس طرح حکومت نے ان تمام "خطرناک قیدیوں" کو احمد نگر کے قلعہ میں مقید کر کے باہر کی دنیا سے ان کے تعلق کو ختم کر دیا۔ مولانا نے بمبئی کے اسٹیشن پر چند لمحوں کے لیے ٹرین میں مہاتما گاندھی سے ملاقات کی تھی اور انھیں بہت زیادہ مایوس پایا تھا۔ اگرچہ مولانا نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ جنگ کے دوران میں حکومت کسی بھی تحریک کو برداشت نہیں کرے گی اور سبھی رہنماؤں کو گرفتار کر کے عوام کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گی مگر مہاتما جی کا خیال تھا کہ حکومت ایسا نہیں کرے گی۔ اس طرح مولانا کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ قلعہ میں شروع شروع میں نہ تو اخبارات دیے گئے اور نہ ہی انھیں خط و کتابت کی اجازت دی گئی۔ مولانا نے حکومت کے اس رویّہ پر احتجاج کیا اور وائسرائے کو خط میں لکھا کہ جیل میں سزا یافتہ مجرموں تک کو خط لکھنے کی اجازت تھی جب کہ ان سیاسی قیدیوں کے لیے اس کی بھی ممانعت تھی لیکن اگر دو ہفتہ انتظار کرنے کے بعد بھی حکومت سے کوئی جواب نہیں ملا تو مجبور ہو کر وہ جو بھی مناسب سمجھیں گے قدم اٹھائیں گے۔ پندرھویں ہی روز ان سب لیڈروں کو ہفتہ میں ایک بار عزیزوں سے خط و کتابت کی اجازت مل گئی اور انھیں اخبارات بھی دیے جانے لگے۔

احمد نگر کے قلعہ میں مولانا کو خاصی فرصت تھی، شروع شروع میں تو

www.taemeernews.com

انھیں اس فرصت سے الجھن ہونے لگی مگر پھر انھوں نے خود کو اس کا عادی بنا لیا۔ اور اپنے آپ کے لیے کچھ معمولات مقرر کر لیے اور ان پر سختی سے عمل کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے لکھا کہ :

"چائے اور کھانے کے چار وقت ہیں جن میں مجھے اپنے کمرہ سے نکلنا اور کمروں کی آخری قطار کے آخری کمرے میں جانا پڑتا ہے۔ چونکہ زندگی کے معمولات میں وقت کی پابندی کا منٹوں کے حساب سے عادی ہو گیا ہوں اس لیے یہاں بھی اوقات کی پابندی کی رسم قائم ہو گئی ہے اور تمام ساتھیوں کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔"

مولانا کی پابندی نے سبھی ساتھیوں کو پابند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اپنی بہن کرشنا ہتھی سنگھ کے نام ایک خط میں جواہر لال نہرو نے لکھا تھا کہ :

"یہاں ہم سب بڑے نظم و ضبط کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مولانا بیحد ناک حد تک وقت کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم کو ہر لحظہ چوکنا رہنا پڑتا ہے کہ کسی وقت چند سکنڈ کی بھی دیر نہ ہو جائے۔"

مولانا کی صبح رات کے آخری پہر سے شروع ہو جاتی تھی۔ ان کا پہلا معمول چائے نوشی تھا۔ دراصل چائے نوشی کا ذوق ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا۔ انھوں نے اس کی تعریف میں نثری قصیدے لکھے اور اس سے پورا پورا لطف اٹھایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"تین بج کر چند منٹ گزرے تھے کہ آنکھ کھل گئی ... چائے پی رہا ہوں ... بہت لطیف ہے ..."

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"اس کی خوشبو جس قدر لطیف ہے اتنا ہی کیف تند و تیز ہے۔ رنگ کی نسبت کیا کہوں، لوگوں نے آتش سیال کی ترکیب سے کام لیا ہے... میں سورج کی کرنوں کو مٹھی میں بند کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور کہتا

www.taemeernews.com

ہوں کر یوں سمجھیے جیسے کسی نے سورج کی کرنیں حل کر کے بلوریں فنجان میں گھول دی ہیں :

مولانا بڑی نفاست سے چائے نوشی کرتے تھے۔ وہ چائے میں دودھ استعمال کرنے کے سخت مخالف تھے اور دودھ اور دہی کی دنیا کو چائے کی دنیا سے بالکل الگ سمجھتے تھے۔ مولانا "وہائٹ جیسمین" نام کی چائے کے شوقین تھے۔ جب احمد نگر میں ان کا یہ مخصوص برانڈ ختم ہوگیا تو حکومت نے ہر جگہ کوشش کی کہ کسی طرح یہ چائے کہیں سے مل جائے تب بڑی مشکل سے بمبئی کے فوجی اسٹور سے مل سکی۔ ویسے جواہر لال نہرو نے بھی اپنی بہن کو بمبئی خط لکھ کر مولانا کے لیے کچھ ڈبے منگوا دیے تھے اس لیے مولانا بڑے مطمئن تھے۔

مولانا کے معمولات میں پڑھنا اور لکھنا بھی اہمیت کا حامل تھا۔ دراصل مولانا نے احمد نگر کے قلعہ میں اپنے رفیقِ خاص نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن رئیس بھیکم پور کے نام خطوں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جنھیں کبھی ڈاک کے سپرد نہ کیا گیا۔ البتہ مولانا کی رہائی کے بعد ان تمام خطوط کو "غبارِ خاطر" کے نام سے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کر دیا گیا جو اردو ادب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے قلعہ کے خالی احاطہ کو چمن میں بدلنے کا فیصلہ کر کے باغبانی کے کام میں بھی دلچسپی لی۔ پونا سے خاص طور سے بیج منگوائے اور تیس چالیس قسم کے بیج بو کر اُن کو سینچا تو یہ بیج پھوٹ نکلے اور انھوں نے پودوں کی شکل اختیار کر لی۔ اور جب ان میں سے پھول کھلنے لگے تو سارا احاطہ سرسبز و شاداب ہو کر بھینی بھینی خوشبوؤں سے مہکنے لگا۔ اپنے ایک خط میں مولانا لکھتے ہیں :

"جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں، کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے، شفق ہر روز نکھرے، پرند ہر صبح و شام

www.taemeernews.com

چبھیں، اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و مسرّت سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے۔"

اس طرح قید میں رہنے کے باوجود مولانا نے قید خانے کو بھی اپنے لیے خوشیوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ مولانا اپنی بنائی ہوئی دنیا میں مگن تھے کہ انھیں ۱۵ فروری ۱۹۴۳ء کو اپنی بیگم زلیخا کی بیماری کا خط ملا۔ مولانا بے چین ہو اٹھے۔ ان کی ہمالیائی شخصیت ہل گئی۔ مولانا نے فوراً ہی تار کے ذریعہ ان کی طبیعت معلوم کی تو پتا چلا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ۲۲ مارچ کو مولانا کو پہلی بار اپنی بیگم کی خطرناک بیماری کی اطلاع ملی جو جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو تار کے ذریعہ دی گئی تھی۔ مولانا کی ڈاک پہلے دِلّی جاتی تھی اور وہاں سے منظوری ملنے کے بعد ان کو بھیجی جاتی تھی اس لیے یہ اطلاع بھی اسی منزل سے ہو کر گزری اور بڑی دیر بعد مولانا کو ملی۔ سپرنٹنڈنٹ نے مولانا سے کہا کہ اگر وہ اس تار کے سلسلہ میں حکومت سے خط و کتابت کرنا چاہیں تو وہ فوراً ان کے خط کو بمبئی بھیج دے گا۔ مگر مولانا نے "اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں حکومت سے کوئی درخواست کرنا نہیں چاہتا۔" جواہر لال نہرو نے بھی انھیں سمجھایا کہ وہ اس سلسلہ میں حکومت سے بات چیت کریں مگر مولانا نے صاف انکار کر دیا۔

مولانا کی شادی تیرہ سال کی عمر میں زلیخا بیگم کے ساتھ ہوئی تھی جو مولانا کے والد کے مرید آفتاب الدین کی پانچویں بیٹی تھیں۔ آفتاب الدین کلکتہ کے سروے آفس میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہو چکے تھے۔ وہ بغداد کے ایک شریف خاندان کے فرد تھے۔ زلیخا کا نام بھی مولانا کے والد مولانا خیر الدین ہی نے تجویز کیا تھا۔ زلیخا بیگم اردو، فارسی میں مہارت رکھتی تھیں اور عربی سے واقف تھیں۔ انھوں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا جس کا نام حسین تھا مگر وہ چار سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔ زلیخا بیگم بڑی سلیقہ مند خاتون تھیں وہ مشرقی روایت کی امین تھیں۔ گھریلو کام کاج میں یکتا تھیں۔ نفاست پسند تھیں اور مہمان نواز بھی۔ مولانا پر جان نثار کرتی تھیں۔ ان کے آرام کا خیال رکھتیں۔ ان کے ساتھ رات رات بھر جاگ کر ان پر پنکھا جھلتی رہتیں۔ جب لوگ کہتے کہ اتنی محنت کیوں کرتی ہو تو کہتیں۔

www.taemeernews.com

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ جاگیں، محنت کریں اور میں آرام سے سوتی رہوں"۔ مولانا کی مالی حالت کبھی اچھی نہ رہی مگر زلیخا بیگم نے قناعت پسندی کا ثبوت دیا اور کبھی کسی شکایت کو ہونٹوں تک نہ آنے دیا۔ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کے ساتھ خوش رہتیں۔ مولانا گھر پر ہوتے تو ان کی خدمت کرتیں اور اگر سفر میں ہوتے یا جیل میں مقید ہوتے تو ان کی سلامتی کے لیے دُعائیں کرتیں۔ اگرچہ انھیں نہ اچھا کھانے کا شوق تھا نہ ہی اچھا پہننے کا لیکن اپنے شوہر کو وہ ہمیشہ اچھا کھلاتیں اور اچھا پہناتیں۔ غرض کہ وہ ہر قدم پر ان کا ساتھ دیتیں۔ جب فروری ۴۲ء میں مولانا کو سزا کا حکم سنایا گیا تو زلیخا بیگم نے ایک طویل تار مہاتما گاندھی کو دیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ:

"میں آپ کو اطلاع دینے کی جرأت کر رہی ہوں کہ بنگال میں جو جگہ ان کی (مولانا) خدمات سے خالی ہوئی ہے ان کے لیے میں نے اپنی ناچیز خدمات پیش کر دی ہیں اور وہ تمام کام بدستور جاری رہیں گے جو اُن کی موجودگی میں انجام پاتے تھے۔ میرے لیے یہ ایک بڑا بوجھ ہے لیکن میں خدا سے مدد کی پوری امید رکھتی ہوں"

اس طرح سیاسی کاموں میں بھی وہ مولانا کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے تیار رہتی تھیں۔ وہ ہر وقت ان کے لیے فکرمند رہتیں۔ انھیں فکروں نے انھیں دق کا مریض بنا دیا تھا۔ جب مولانا نینی جیل میں تھے تو وہ بیمار پڑ گئی تھیں مگر انھوں نے مولانا کو اس کی اطلاع نہیں دینے دی کہ مبادا وہ فکرمند اور پریشان ہو جائیں۔ رہائی کے بعد مولانا کو صورتِ حال کا علم ہوا تو انھوں نے زلیخا بیگم کو آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے رانچی بھیج دیا اس سے انھیں کافی فائدہ پہنچا۔ اس پورے عرصہ میں مولانا سفر میں رہے اور جولائی کی آخری تاریخوں میں کلکتہ واپس ہوئے تو چار روز قیام کرنے کے بعد ۳ر اگست کو پھر بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مولانا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"۳ر اگست کو جب میں بمبئی کے لیے روانہ ہونے لگا تو وہ حسب معمول دروازہ تک خدا حافظ کہنے کے لیے آئی۔ میں نے کہا اگر کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آ گیا

www.taemeernews.com

تو ۱۳ اگست تک واپسی کا قصد ہے۔ اس نے 'خدا حافظ' کے سوا اور کچھ نہیں کہا۔ لیکن اگر وہ کہنا بھی چاہتی تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی جو اس کے چہرے کا خاموش اضطراب کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر چہرہ اشکبار تھا ... گذشتہ پچیس برس کے اندر کتنے ہی سفر پیش آئے اور کتنی ہی مرتبہ گرفتاریاں ہوئیں لیکن میں نے اس درجہ فسردہ خاطر اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ... شاید وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس زندگی میں یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ وہ خدا حافظ اس لیے نہیں کہہ رہی تھی کہ میں سفر کر رہا تھا، وہ اس لیے کہہ رہی تھی کہ خود سفر کرنے والی تھی :

مولانا نے اگرچہ رہائی کے سلسلہ میں حکومت کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا مگر اُن کے دل کا سکون جاتا رہا تھا۔ مولانا خود لکھتے ہیں :

"اس زمانے میں میرے دل و دماغ کا جو حال رہا میں اسے چھپانا نہیں چاہتا میری کوشش تھی کہ اس صورتِ حال کو پورے صبر و سکون کے ساتھ برداشت کروں۔ اس میں میرا ظاہر کامیاب ہوا لیکن شاید باطن نہ ہو سکا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب دماغ، بناوٹ اور نمائش کا وہی پارٹ کھیلنے لگا ہے جو احساسات اور انفعالات کے ہر گوشہ میں ہم ہمیشہ کھیلا کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو باطن نہیں بننے دیتے۔"

تاہم مولانا نے احمد نگر کے قلعہ میں اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ اُدھر زلیخا بیگم کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی ان کے طبیبوں نے حکومت کو لکھا کہ بیگم زلیخا کی گرتی ہوئی حالت ان کی زندگی کی مدت کو کم کر رہی ہے ایسی صورت میں مولانا کو اپنی بیگم سے ملنے کی اجازت دے دی جائے لیکن حکومت نے معالجوں کے اس اہم خط کو بھی نظر انداز کر دیا آخر ۱۰ اپریل ۱۹۴۳ء کو مولانا کی آٹھ مہینے اور ایک

www.taemeernews.com

ہفتہ کی عدم موجودگی کے دوران میں اپنے شوہر کو ایک نظر دیکھ لینے کی حسرت لیے زلیخا بیگم ہمیشہ کے لیے اس مادّی دنیا سے مُنہ موڑ گئیں۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں:

"اس طرح ہماری چھتیس برس کی ازدواجی زندگی ختم ہوگئی اور موت کی دیوار ہم دونوں میں حائل ہوگئی۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں مگر اسی دیوار کی اوٹ سے . . . مجھے ان چند دنوں کے اندر برسوں کی راہ چلنی پڑی ہے۔ میرے عزم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے پاؤں شل ہوگئے ہیں۔"

اس طرح مولانا کی رفاقت نے دم توڑ دیا اور وہ اس بھری پُری دنیا میں بالکل اکیلے رہ گئے۔ اس کے کچھ ہی روز بعد ان کی بہن آبرو بیگم بھی مختصر سی بیماری کے بعد بھوپال میں وفات پا گئیں۔ ایک کے بعد ایک صدمہ نے مولانا کو نڈھال کر دیا مگر انھوں نے کبھی اپنی روح کو پژمردہ نہیں ہونے دیا۔ اُدھر مہاتما گاندھی، جنھیں اگست ۴۲ء میں پونا کے آغا خاں پیلیس میں رکھا گیا تھا، اپنی رفیقۂ حیات کستوربا گاندھی کو ایک مختصر سی بیماری کے بعد گنوا بیٹھے۔ اسی جیل میں ان کے ساتھی اور سکریٹری مہادیو دیسائی نے بھی انتقال کیا۔ انھیں دنوں مہاتما گاندھی نے اکیس دن کا برت رکھ لیا تاکہ ان کے نفس کا تزکیہ ہو سکے۔ دراصل رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد عوام تشدّد پر اتر آئے تھے۔ انھوں نے اپنی مرضی سے سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی، افسروں پر حملے کر دیے، ٹرین کی لائنیں اکھاڑ دیں، بجلی اور فون کے کھمبے اکھاڑ پھینکے۔ مولانا آزاد اس سلسلہ میں پہلے ہی اپنے اندیشے کا اظہار کر چکے تھے۔ حکومت نے اس کی ذمہ داری مہاتما جی کے سر رکھ دی۔ اس لیے انھوں نے اکیس روز کا برت رکھ لیا۔ اس دوران میں ان کی حالت نازک ہوگئی تاہم انھوں نے برت کامیابی کے ساتھ پورا کر لیا۔ حکومت اب کسی قسم کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتی تھی اس لیے اس نے مہاتما جی کو رہا کر دیا۔

www.taemeernews.com

رہائی

اسی اثنا میں کانگریسی رہنماؤں کو اُن کی صوبائی جیلوں میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوگیا۔ اس کے تحت اپریل ۴۵ء میں مولانا آزاد کو احمد نگر سے بنگال کی بانکورا جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ ان کی صحت گر چکی تھی اور وزن چالیس پونڈ گھٹ گیا تھا۔ اسی دوران میں حکومت نے اعلان کیا کہ شملہ میں ایک کانفرنس ہو رہی ہے جس میں حکومت ہندستان کی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے بات چیت کرے گی تاکہ آزادی کے مسئلہ کا کوئی حل نکل سکے نتیجہ میں دوسرے رہنماؤں کے ساتھ مولانا آزاد کو بھی دوسروں کو بانکورا جیل سے رہا کر دیا گیا۔ جب وہ کلکتہ پہنچے تو ہوڑہ کے اسٹیشن پر ایک بڑے ہجوم نے ان کا استقبال کیا۔ انھیں جلوس کی شکل میں لے جایا گیا اور پھولوں سے لاد دیا گیا۔ مولانا نے اپنی کار کا رخ قبرستان کی طرف کروا دیا اور اپنی بیوی زلیخا بیگم کی قبر پر نمناک آنکھوں اور روتے ہوئے دل کے ساتھ فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اور ایک پھولوں کا ہار اپنی کار سے اٹھا کر اُن کی قبر پر ڈال کر اپنا نذرانہ پیش کیا۔ اتنے بڑے ہجوم کے باوجود مولانا اب اکیلے تھے، بالکل اکیلے۔

کانگریس نے مولانا آزاد کو اپنے واحد نمایندہ کی حیثیت سے شملہ کانفرنس میں شرکت کا اختیار دیا۔ کانفرنس میں قریب قریب وہی تجویزیں رکھی گئیں جو ۴۲ء میں سر کرپس پیش کر چکے تھے لیکن اب جب کہ جنگ ختم ہونے والی تھی مولانا ان کو قبول کرنے ہی میں ہندستان کا مفاد سمجھتے تھے۔ ان تجاویز کے تحت وائسرائے کی کونسل کے تمام ممبروں کو ہندستانی ہونا تھا مگر مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح نے اصرار کیا کہ کانگریس کو کسی مسلمان کو اس کا رکن نامزد کرنے کا

www.taemeernews.com

کوئی حق نہیں کیونکہ مسلمانوں کو نامزد کرنے کا اختیار صرف مسلم لیگ کو حاصل تھا۔ جناح کی یہ ضد بالکل غلط تھی۔ کانگریس کی صدارت کا بار پچھلے چھے سال سے مولانا آزاد کے کاندھوں پر تھا اور وہ ایک مسلمان تھے، ایسی صورت میں مسلم لیگ کا مسلمانوں کی نمایندگی کا دعوا قطعی غیر مناسب تھا اور ناجائز بھی۔ مولانا نے صاف صاف کہا کہ کانگریس لیگ کے اس دعوے سے اتفاق نہیں کر سکتی کیونکہ سیاسی معاملات میں ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہ کسی طرح کانگریس کو ایک ہندو جماعت سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے جب کہ وہ خود اس کے صدر تھے۔ اسی مسئلہ پر کانفرنس ناکام ہوگئی مگر کانگریس نے اپنا سیکولر کردار دنیا پر واضح کر دیا۔ مولانا کو آرام کی سخت ضرورت تھی اس لیے وہ کانفرنس کے بعد کشمیر چلے گئے۔

جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس کی ہولناک پرچھائیوں نے ساری دنیا کے لوگوں کے مستقبل کو تاریک بنا دیا تھا ایسے حالات میں انگلینڈ میں عام انتخابات ہوئے اور ان میں لیبر پارٹی کو فتح حاصل ہوئی۔ لیبر پارٹی نے ہمیشہ ہندستان کے رہنماؤں کے ساتھ ہمدردی کی تھی اس لیے مولانا نے اس سے بڑی امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ اس کے بعد ہی وائسرائے لارڈ ویول نے ہندستان میں بھی الیکشن کرانے کا اعلان کر دیا مولانا کے اصرار پر کانگریس نے انتخابات میں حصہ لینا منظور کر لیا۔ نتیجہ میں تین صوبوں کے علاوہ تمام صوبوں میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی۔ بنگال میں مسلم لیگ کو تقریباً آدھی نشستیں ملیں اور وہ وہاں سب سے بڑی پارٹی ثابت ہوئی۔ پنجاب میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کو برابر نشستیں ملیں۔ سندھ میں اگرچہ مسلم لیگ کو سب سے زیادہ نشستیں ملیں تاہم وہ اکثریت سے محروم رہی یہ تینوں صوبے مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے تھے اور الیکشن میں لیگ نے وہاں کے دوٹروں کے جذبات کو مذہب کے نام پر ابھارا تھا تاہم صوبہ سرحد مسلم اکثریتی صوبہ ہونے کے باوجود مسلم لیگ کو شکست دینے میں کامیاب رہا۔ وہاں کانگریس کو اکثریت ملی اور اسی نے حکومت بنائی۔

www.taemeernews.com

الیکشن کے بعد مولانا کا بیشتر وقت صوبوں میں حکومت سازی کے سلسلہ میں گزرا۔ انھوں نے بہار میں کانگریس کے گروہوں کے درمیان اختلافات ختم کرائے اور متفقہ طور پر کانگریسی وزارت بنوائی۔ پنجاب میں کانگریس اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان مصالحت کرا کے دونوں کی ملی جلی حکومت بنوائی۔ کانگریس پنجاب میں پہلی بار حکومت میں شامل ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں بحری فوج کے افسروں نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ مولانا نے خوبصورتی کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کرایا اور افسروں کو واپس اپنے کام پر جانے کے لیے راضی کر لیا۔ اسی طرح برطانوی حکومت آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں پر مقدمہ چلا رہی تھی۔ آزاد ہند فوج برما میں سبھاش چندر بوس نے ترتیب دی تھی جس نے بڑی بہادری کے ساتھ ہندستان کی آزادی کے لیے برطانیہ کے خلاف جنگ کی تھی جب جاپان نے ہتھیار ڈال دیے تو آزاد ہند فوج کے سپاہیوں اور افسروں کو بھی گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا نے حکومت سے کہا کہ وہ ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے۔ مولانا نے ملزموں کی پیروی کا انتظام کیا اس کے نتیجہ میں جواہر لال نہرو، ڈاکٹر کاٹجو، تیج بہادر سپرو، آصف علی اور بھولا بھائی دیسائی نے ان کی پیروی کی۔ انجام کار تمام ملزم رہا کر دیے گئے۔

لیبر پارٹی کے اقتدار میں آتے ہی وزیر اعظم ایٹلی نے ہندستان کی آزادی کا مسئلہ حل کرنے کی غرض سے ایک وزارتی مشن دلی بھیجا اس کے تین رکن تھے۔ لارڈ پیتھک لارنس جو وزیر ہند تھے۔ سر کرپس جو بورڈ آف ٹریڈ کے پریزیڈنٹ تھے اور اے۔ وی۔ الگزینڈر جو فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلٹی تھے۔ یہ تینوں برطانوی کابینہ کے ممبر تھے اسی لیے اسے کابینہ مشن کہا جاتا ہے۔ یہ مشن ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو دلی پہنچا۔ ۶ اپریل کو مولانا نے مشن کے ممبروں سے ملاقات کی تو انھوں نے فرقہ وارانہ مسئلہ کے بارے میں مولانا کی تجویز معلوم کرنی چاہی۔ مولانا کے نزدیک ہندستان اور برطانیہ کے درمیان کوئی سیاسی معاملہ حائل نہ تھا کیونکہ برطانیہ تو

www.taemeernews.com

ہندستان کو آزادی دینے کے لیے تیار ہو چکا تھا اب مسئلہ محض فرقہ واریت کا تھا جس کے تحت مسلم لیگ نے بہت سے اندیشوں کا اظہار کیا تھا۔ اس لیے جب کابینہ مشن نے اس سلسلہ میں ان کے خیالات معلوم کیے تو مولانا نے کہا کہ ہندستان کے آئین کو وفاقی ہونا چاہیے جس کی رو سے دفاع، خارجی معاملات اور رسل و رسائل کے محکموں کو مرکزی حکومت کی تحویل میں ہونا چاہیے اور ان تین کے علاوہ سارے اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل ہونے چاہییں البتہ اگر صوبے اپنے فائدے اور مرضی کے تحت بعد ازاں کچھ اور اختیارات مرکزی حکومت کو سونپنا چاہیں تو وہ ان پر منحصر ہوگا۔ کابینہ مشن کے ممبروں نے مولانا کی تجویز سنی تو وزیر ہند نے اسے مسئلہ کا ایک نیا حل بتایا۔ یہی تجویز مولانا نے کانگریس کے سامنے پیش کی تو وہ بھی مطمئن ہو گئی اور اس نے اسے منظور کر لیا۔ کابینہ مشن نے ایک نئی تجویز کا اضافہ کرتے ہوئے مولانا کے فارمولے پر مشتمل اپنا منصوبہ پیش کر دیا۔ اس نے جس نئی تجویز کا اضافہ کیا تھا اس کے تحت ملک کے تمام صوبوں کو اے۔ بی۔ سی کے تین گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مشن نے فوری طور پر ایک گورنر جنرل کی کونسل کی تشکیل کی تجویز بھی رکھی جس کے تمام ممبروں کو ہندستانی ہونا تھا۔

مولانا نے کانگریس سے کابینہ مشن کے منصوبہ کو منظور کرا لیا کیونکہ اس سے ہندستان کی وحدت قائم رہتی تھی اور آزادی نظروں کے سامنے تھی اگرچہ مشن نے پاکستان کے مطالبہ کو رد کر دیا تھا تاہم لیگ نے بھی اسے منظور کر لیا مولانا کی صدارت اور سربراہی میں یہ آخری کارنامہ تھا جو انھوں نے وطن عزیز کی خاطر انجام دیا کہ مشن کے منصوبہ کو کانگریس سے منوا لیا کیونکہ ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں جب کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا نے اپنے جانشین اور نئے صدر کانگریس کی حیثیت سے جواہر لال نہرو کا نام پیش کیا۔ اس طرح سات سال کی طویل مدت اور انتہائی نازک حالات میں ملکی سیاست کی کشتی کو کنارے پر لگانے کے بعد مولانا کانگریس کی صدارت کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اس اجلاس میں

www.taemeernews.com

کانگریس کی طرف سے سردار پٹیل نے مولانا کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے تئیں خراج تحسین پیش کیا۔ کانگریس کی پوری تاریخ میں مولانا کے علاوہ یہ اعزاز کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ وہ سات برس تک مسلسل کانگریس کا صدر رہا ہو۔ ان کی رہنمائی دانش مندی اور تدبر کا مجموعہ تھی جس نے ملک کو آزادی کی دہلیز پر لا کھڑا کیا تھا۔

بعد ازاں مشن کے منصوبہ سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے ایک پریس کانفرنس میں جواہر لال کے ایک بیان سے لیگ بدظن ہو گئی اور غلط فہمی اس حد تک بڑھی کہ اس نے منصوبہ کو نامنظور کر دیا اور مولانا کی انتھک کوششوں سے جو خوشگوار فضا ملک میں قائم ہوئی تھی وہ پھر مکدر ہو گئی۔ کانگریس نے وضاحتیں پیش کیں۔ یقین دلایا مگر لیگ نے منصوبہ کو نامنظور کر کے پاکستان حاصل کرنے کے لیے راست اقدام کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں ہندستان کے گوشہ گوشہ میں فرقہ وارانہ تناؤ پیدا ہو گیا اور ہندو مسلم فسادات اور تشدد کا بازار گرم ہو گیا۔ بنگال میں حسین شہید سہروردی کی حکومت تھی۔ انھوں نے ۱۶ اگست ۴۶ء کو راست اقدام کے روز سرکاری تعطیل کا اعلان کر دیا پھر کیا تھا۔ بنگال میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور نواکھالی میں فسادات نے وہ قیامت برپا کی کہ انسانیت شرمانے لگی۔

کانگریس نے مولانا آزاد، سردار پٹیل اور راجندر پرشاد پر مشتمل ایک پارلیمانی سب کمیٹی نامزد کی تھی اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ عبوری حکومت قائم کرنے کے سلسلہ میں وائسرائے کو اپنی تجویز پیش کرے۔ کانگریس نے بڑی کوشش کی کہ لیگ بھی عبوری حکومت میں شامل ہو جائے لیکن وہ تیار نہ ہوئی اور علاحدہ رہ کر پاکستان کے مطالبہ کو تقویت پہنچاتی رہی۔ پہلی ستمبر کو جواہر لال کی قیادت میں ہندستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی جس میں سبھی فرقوں کو نمایندگی دی گئی تھی۔ اس حکومت میں کانگریسی رہنماؤں نے مولانا سے اصرار

www.taemeernews.com

کیا کہ وہ بھی عبوری حکومت میں شامل ہو جائیں لیکن مولانا کا خیال تھا کہ وہ حکومت سے باہر رہ کر زیادہ کام کر سکیں گے اس لیے انھوں نے اپنی جگہ آصف علی کا نام پیش کر دیا۔ کانگریس کے اس طرح اقتدار میں آجانے سے لیگ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اکتوبر میں حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئی۔ لیگ کے ممبروں کو جگہ دینے کی غرض سے سرت چندر بوس، سر شفاعت احمد خاں اور سید علی ظہیر کو عبوری حکومت سے مستعفی ہونا پڑا۔ مولانا کے منع کیے جانے کے باوجود لیگ کو مالیات کا محکمہ دیا گیا جس کی سربراہی لیاقت علی خاں کے ذمہ تھی۔ دراصل وہ امور داخلہ کی وزارت چاہتے تھے مگر سردار پٹیل وزیر داخلہ تھے اور اسے اپنے ہی پاس رکھنا چاہتے تھے اس لیے مالیات کا محکمہ لیگ کے حوالے کرنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریسی وزیروں کو چپراسی تک کے تقرر کے لیے وزیر مالیات کا مُنہ تکنا پڑتا تھا۔

۹ر دسمبر ۴۶ء کو آزاد ہندستان کا آئین مرتب کرنے کے لیے دلی میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ اس کی صدارت کے لیے مولانا کا نام بھی تجویز ہوا مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔ سردار پٹیل اور جواہر لال اس منصب پر کسی ایسی باوقار شخصیت کو فائز کرنے کے حق میں تھے جو حکومت سے باہر ہو، اور ایسی شخصیت مولانا ہی کی تھی۔ بالآخر اسمبلی کی صدارت کے لیے ڈاکٹر راجندر پرساد کا نام تجویز ہوا اور انھوں نے بڑے وقار کے ساتھ اس عظیم ادارے کی سربراہی کے فرائض انجام دیے۔ اسمبلی بڑے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ آئین سازی کے کام میں مصروف ہو گئی مگر لیگ کے ممبروں نے اس میں شمولیت اختیار نہیں کی۔

www.taemeernews.com

آزادیٔ

اگرچہ مولانا نے ستمبر میں عبوری حکومت میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا تاہم وہ بہت دن باہر نہیں رہ سکے اور بالآخر مہاتما گاندھی اور دوسرے ساتھیوں کے اصرار پر ۱۵ر جنوری ۴۶ء کو تعلیم کے ممبر کی حیثیت سے عبوری حکومت کا اہم ستون بن گئے۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لال کے نزدیک آزاد ہندستان میں تعلیم کا محکمہ بڑی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ برطانوی عہد حکومت میں تعلیم کا مقصد ہندستانیوں کو انگریزوں کا وفادار بنانا تھا اسی لیے تحریک آزادی کے دوران میں قومی رہنماؤں نے ہمیشہ تعلیم کے میدان میں اصلاحات اور قومی تعلیم پر زور دیا تھا۔ ترک موالات کی تحریک میں بھی قومی تعلیمی ادارے اسی لیے قائم ہوئے تھے کہ وہ قومی تعلیم کو فروغ دے سکیں۔ اسی سبب سے جب آزادی کی منزل نظر آنے لگی تو قومی رہنماؤں نے نظام تعلیم کی از سر نو تشکیل کا منصوبہ بنایا اور اسے مولانا آزاد کے سپرد کر دیا۔ اب تک عبوری حکومت میں تعلیم کا محکمہ راج گوپال آچاریہ کے ذمہ تھا۔

۲۰ر فروری کو وزیر اعظم ایٹلی نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت جون ۴۸ء تک ہندستان کی حکمرانی سے دست بردار ہو جائے گی اور لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا ہے۔ مولانا لارڈ ویول کے

www.taemeernews.com

مدّاح تھے۔ انھیں ویول کی نیک نیتی اور صدق دلی پر یقین تھا۔ انھوں نے ویول کو بڑے اچھے لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا۔ ۲۲ر مارچ کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن دِلّی پہنچے اور دو روز بعد یعنی ۲۴ر مارچ کو انھوں نے نئے وائسرائے کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف لیا۔ پھر انھوں نے ہندستانی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان کو یقین دلایا کہ وہ ہندستان کی آزادی کے مسئلہ کو حل کرنے ہی کے لیے ہندستان آئے تھے۔

ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات نے تشدد اور منافرت کی آندھی چلا رکھی تھی۔ بنگال سے فسادات بہار تک جا پہنچے اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ انگریز افسر بھی انتظامی معاملات میں کم دلچسپی لینے لگے کیونکہ انھیں یقین ہو چلا تھا کہ انھیں جلد ہی ہندستان چھوڑ کر وطن واپس جانا پڑے گا۔ جواہر لال کی عبوری حکومت میں اندرونی اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔ وزیر خزانہ لیاقت علی خاں نے ایک ایک پیسے پر مہر لگا رکھی تھی ہندستان کے فوجی بھی مطمئن نہ تھے۔ انھیں تمام باتوں نے ماؤنٹ بیٹن پر یہ اثر ڈالا کہ فرقہ واریت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لیگ کا مطالبہ پورا نہیں ہو جاتا۔ اس لیے انھوں نے وطن کی تقسیم ہی کو تمام خرابیوں اور برائیوں کا علاج تصوّر کیا۔ انھوں نے بڑی سوجھ بوجھ سے ہندستان کی تقسیم کے منصوبہ کا خاکہ تیار کیا اور اس تقسیم کے لیے جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور دوسرے رہنماؤں کو تیار کر لیا جب مولانا آزاد کو وائسرائے کے نئے منصوبہ کا علم ہوا تو انھوں نے کانگریسی رہنماؤں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی کیونکہ بٹوارا نہ صرف مسلمانوں کے لیے نقصان دہ تھا بلکہ اس میں پورے ملک کا نقصان تھا۔ ان کے نزدیک کابینہ مشن کا منصوبہ ہی تمام مسئلوں کا حل تھا اس کے تحت نہ صرف ملک متحد رہ سکتا تھا بلکہ سبھی فرقوں کو کام کرنے کے یکساں مواقع فراہم ہو سکتے تھے۔ مولانا سمجھتے تھے کہ ملک کا اصل مسئلہ اقتصادی تھا نہ کہ سیاسی یا فرقہ وارانہ۔ انھیں یقین تھا کہ ملک کو آزادی حاصل

www.taemeernews.com

ہوجانے کے بعد ہندو، مسلمان اور سکھ مسئلوں کی اصل صورت سے واقف ہوجائیں گے اور تب فرقہ وارانہ مسئلہ بھی آپسی کوششوں سے حل کرلیا جائے گا۔ مولانا کا خیال تھا کہ بٹوارا نہ کرکے آزادی کو دو ایک برس کے لیے ٹال دیا جائے کیونکہ قوموں کی زندگی میں دو ایک برس کا عرصہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس مدت میں حالات معمول پر آجائیں گے، منافرت کم ہوجائے گی اور تشدد ختم ہوجائے گا تب لیگ پاکستان کا اپنا مطالبہ بھی ترک کردے گی اور ہندستان ایک متحد ملک کی شکل میں آزادی حاصل کرلے گا لیکن بہت سے رہنماؤں نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ مولانا اس سلسلہ میں وائسرائے سے بھی ملے مہاتما گاندھی پہلے تو مولانا کے خیالات سے متفق تھے اور کہتے تھے کہ بٹوارا ان کی لاش پر ہی ممکن تھا مگر پھر وہ بھی اس کے حامی ہوگئے۔ مولانا نے واضح الفاظ میں کہا کہ "اگر ہم نے بٹوارے کو منظور کرلیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی اس وقت یہی کہا جائے گا کہ ہندستان کو بانٹنے میں کانگریس کا بھی اتنا ہی ہاتھ تھا جتنا کہ مسلم لیگ کا" مگر ان کے خیالات سے کسی نے اتفاق نہ کیا۔

۳ جون کو ماؤنٹ بیٹن نے ملک کے بٹوارے سے متعلق اپنی تجویز کا خاکہ پیش کیا جسے کانگریس اور لیگ دونوں ہی نے منظور کرلیا۔ اس طرح ایک متحد ملک کا جو خواب مولانا نے دیکھا تھا وہ چور چور ہوگیا۔ ۱۴ اگست کو ایک نئے ملک یعنی پاکستان کا قیام عمل میں آگیا جو سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب کے مغربی اور بنگال کے مشرقی حصوں کو ملاکر بنایا گیا تھا۔ اگرچہ صوبہ سرحد کے غیور پٹھانوں نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا تھا اور بٹوارے کی مخالفت کی تھی لیکن ان کے صوبہ کو بھی پاکستان میں شامل ہونا پڑا۔ ۱۵ اگست کی صبح جواہر لال نہرو نے دلی کے تاریخی لال قلعہ کی فصیل پر ترنگا جھنڈا لہراکر آزاد ہندستان کے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے تقریر کی اور اس طرح ملک برطانوی تسلط سے آزاد ہوگیا جس کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں مولانا

www.taemeernews.com

آزاد کا نام سرفہرست ہے مگر مولانا کا خواب ریزہ ریزہ ہو گیا تھا کیونکہ انھوں نے تو ایک متحد ہندستان کی آزادی کے لیے جنگ کی تھی

ملک آزاد تو ہوا مگر بٹوارے نے دلوں کو بوجھل بنا دیا۔ ہندستان اور پاکستان کے دونوں ہی حصّوں سے لوگ منتقل ہونے لگے۔ فسادات روزمرّہ کا معمول بن گئے۔ زندگی کی کوئی قیمت ہی نہ رہی۔ مذہب کا کام دلوں کو جوڑنا ہے لیکن لوگوں نے اس سے دلوں کو توڑنے کا کام لیا۔ دلّی بھی اس زہر سے محفوظ نہ رہ سکی۔ یہاں بھی نفرت اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ مولانا کو بٹوارے نے شدید صدمہ پہنچایا تھا کیونکہ انھیں یقین تھا کہ بٹوارا ملک کے مسئلوں کا حل نہیں، اس سے نئے نئے مسئلوں کے ابھرنے کا اندیشہ تھا۔ اب ان کے یہ اندیشے صحیح ثابت ہو رہے تھے تاہم انھوں نے پوری کوشش کی کہ ملک میں امن قائم ہو جائے لوگوں کے دلوں سے انتقام اور نفرت کی آگ ختم ہو جائے اور محبت اور بھائی چارہ کی فضا میں ہندو اور مسلمان دوستی کی جڑوں کو مضبوط کریں۔

مولانا نے ہندستان کے مسلمانوں کے دلوں سے خوف کے ہر احساس کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اندر سے احساسِ کمتری کو مٹانے کے لیے ان میں اعتماد پیدا کیا اس سلسلہ میں وہ گورنر جنرل، وزیر اعظم اور دوسرے تمام وزیروں سے ملتے رہے۔ ان کی کوٹھی مسلمانوں کے لیے ایک محفوظ ٹھکانہ بن گئی۔ جہاں انھوں نے خیمے نصب کروا دیے تاکہ خوف زدہ مسلمان ان میں پناہ لے سکیں۔ انھوں نے ہندستان چھوڑ کر پاکستان جانے والے مسلمانوں کو اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اکتوبر ۱۹۴۰ء میں دلّی کی تاریخی جامع مسجد میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"... آج ہندستان آزاد ہے اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ سامنے لال قلعہ کی دیوار پر آزاد ہندستان کا جھنڈا اپنے پورے

www.taemeernews.com

شکوہ سے لہرا رہا ہے۔ یہ وہی جھنڈا ہے جس کی اڑانوں سے حاکمانہ غرور کے دل آزار قہقہے تمسخر کیا کرتے تھے .... مجھے آج جو کہنا ہے میں اسے بے روک ہو کر کہنا چاہتا ہوں۔ متحدہ ہندستان کا بٹوارا بنیادی طور پر غلط تھا۔ مذہبی اختلافات کو جس ڈھب سے ہوا دی گئی اس کا لازمی نتیجہ یہی آثار و مظاہر تھے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور بدقسمتی سے بعض مقامات پر اب تک دیکھ رہے ہیں۔"

مولانا نے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے کہا:

"ہراس کا یہ موسم عارضی ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا .... میں نے ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو، شک سے ہاتھ اٹھا لو اور بے عملی کو ترک کر دو۔ یہ تین دھار کا انوکھا خنجر لوہے کی اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمھارے نوجوانوں سے سنی ہیں۔"

جو لوگ پاکستان جانے کا فیصلہ کر چکے تھے ان کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا نے کہا:

"یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر غور کرو۔ تمھیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو کہ تمھارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جا رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو؟ یہ دیکھو، مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمھارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم کو یہاں

www.taemeernews.com

رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دِلّی تمھارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔"

مولانا نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ نئے حالات کے مطابق اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ نہ انھیں ڈرنے کی ضرورت تھی اور نہ پریشان ہونے کی۔ انھیں صرف اپنے خدا پر یقین ہونا چاہیے اور اس پیغام پر عمل کرنا چاہیے جو پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ رسول اللہ نے چودہ سو برس پہلے دنیا کو دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ انقلاب کا ایک دور پورا ہو چکا ہے مگر ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں۔ ان خالی صفحات کا عنوان خود مسلمان بن سکتے ہیں "مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لیے تیار بھی ہیں . . . ستارے لوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو۔ اور ان اندھیری راتوں میں بچھا دو جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔" مولانا نے کہا کہ مسلمانوں کو کسی سے وفاداری کی سند لینے کی ضرورت نہیں۔ ہندستان پر اُن کا حق اسی طرح اور اسی قدر ہے جس قدر دوسروں کا تھا۔ مولانا نے اخیر میں کہا:

"آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اسی کے لیے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے . . . آج زلزلوں سے ڈرتے ہو، کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے۔ آج اندھیروں سے کانپتے ہو؟ کیا یاد نہیں کہ تمھارا وجود ایک اجالا تھا۔ یہ بادلوں کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے خدشے سے اپنے پائنچے چڑھا لیے ہیں وہ تمھارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے، پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا، بجلیاں آئیں تو اُن پر مسکرائے، بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا، آندھیاں آئیں تو ان سے کہا، تمھارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جانکنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تار بیچ رہے ہیں اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا . . . عزیزو، میرے پاس تمھارے لیے کوئی نیا نسخہ

www.taemeernews.com

نہیں ہے۔ چودہ سو برس پہلے کا نسخہ ہے، وہ نسخہ جس کو کائناتِ انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔"

مولانا کی تقریر نے مسلمانوں کو اس قدر متاثر کیا کہ ہندستان چھوڑ کر جانے والے بہت سے لوگوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور وہ ہندستان ہی میں رہنے اور بسنے پر تیار ہو گئے۔ بندھے ہوئے بستر کھل گئے اور لوگوں کے بھاگتے ہوئے قدم ٹھہر گئے۔

مولانا کے لیے یہ زمانہ بڑی پریشانی کا تھا۔ نہ انھیں دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔ وہ رات رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتے رہتے اور ملک کے حالات پر نظریں دوڑاتے رہتے تھے۔ دراصل یہ وہ دور تھا جب ہر جگہ یہی بحث تھی کہ "مسلمان اب کیا کریں"۔ اسی سوال کا جواب دینے کی غرض سے مولانا کے ایما پر لکھنؤ میں ایک مسلم کنونشن منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت مولانا آزاد نے کی مولانا نے اس موقع پر بھی مسلمانوں کو وہی مشورہ دیا جو وہ ہمیشہ دیتے آئے تھے۔ انھوں نے کہا:

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندستان جس کی آزادی کا ہم ستر برس سے خواب دیکھ رہے تھے، برباد نہ ہو اور بربادی کسی دروازے میں نہ گھسنے پائے تو ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ جس دروازے سے فرقہ پرستی آئی ہے اس دروازہ کو بند کر دیں۔ ایک دروازہ جو مسلمانوں کے ذریعہ کھولا گیا تھا اسے بند کر دینا چاہیے۔ ہر شخص جو اپنی آنکھوں کے پپوٹوں کو کھلا رکھنا چاہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر خطرناک کوئی چیز نہیں اور اگر وہ دروازہ اب بھی بند نہیں کیا جاتا ہے تو بہت بڑی ذمہ داری آپ پر رہ جائے گی اور ملک کی آب و ہوا کی خرابی کی اصلاح میں جو کوشش کی جا رہی ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔"

اس طرح مولانا نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ فرقہ پرستی کی سیاست کا خاتمہ کر دیں۔ ایسی سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیں جو ملک کا بٹوارہ چاہتی تھیں اور جنھیں تقسیم

www.taemeernews.com

کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے مسلمانوں سے یہ بھی کہا کہ وہ آیندہ ایسی کوئی جماعت نہ بنائیں جو فرقہ پرستی کی بنیاد پر کھڑی ہو بلکہ اب انھیں ایسی جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے جو ترقی پسند ہو، فرقہ واریت کی بنیاد پر نہ بنی ہو، جو ان کے مقاصد کو پورا کرتی ہو، جو ہندو مسلم، سکھ، عیسائی میں فرق نہ سمجھتی ہو۔ انھوں نے واضح طور سے کہا کہ ان کے نزدیک ایسی ترقی پسند جماعت محض کانگریس ہے۔ اور مسلمانوں کو اس میں شریک ہو جانا چاہیے۔

ایک طرف مولانا ہندستان کے مسلمانوں میں خود اعتمادی کا جذبہ جگا رہے تھے تو دوسری طرف مہاتما گاندھی بھی ایک نئے ہندستان کی تعمیر کے سلسلہ میں فرقہ واریت کا خاتمہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن دنوں وہ دلی میں برلا ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں انھیں ہندو مسلم فسادات اور منافرت کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ انھوں نے اس بارے میں وزیر داخلہ سردار پٹیل سے معلومات حاصل کیں مگر جب اطمینان نہ ہوا تو مولانا کو بلا کر یہ فیصلہ سنایا کہ وہ ملک میں امن قائم کرنے کی غرض سے برت رکھیں گے۔ مہاتما گاندھی ہندستان کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں پہلے بھی کئی مرتبہ برت رکھ چکے تھے مگر اب جب کہ ان کی عمر اٹھتر برس کی تھی، جسم جیلوں کی سختیاں سہتے سہتے لاغر ہو چکا تھا اور بڑھاپے نے ان کے دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا ایسی حالت میں آزاد ہندستان میں ان کے برت رکھنے کے فیصلہ نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ مولانا اور جواہر لال نے بڑی کوشش کی کہ مہاتما جی اپنا فیصلہ بدل دیں مگر گاندھی جی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر کار انھوں نے برت رکھ ہی لیا

مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کے اصرار پر مہاتما جی نے اپنا برت توڑنے کے لیے کچھ شرطیں رکھیں جن میں سے خاص یہ تھیں کہ ہندو اور سکھ مسلمانوں پر حملے کرنا بند کر دیں، ان کے ساتھ بھائی چارہ کا سلوک کریں، انھیں پاکستان جانے سے روکیں، چلتی گاڑیوں پر حملہ نہ کریں اور دوسروں کو بھی ان سے باز رکھیں، جو مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر مختلف جگہوں میں پناہ لے رہے تھے

www.taemeernews.com

انھیں واپس لائیں اور فساد کے دوران میں مہرولی میں واقع قطب صاحب کی درگاہ کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی مرمت کروائیں۔ مولانا نے مہاتما جی کی یہ شرطیں ایک عام جلسہ میں پیش کیں اور لوگوں کے تسلیم کرنے کے بعد گاندھی جی کو یقین دلایا کہ جیسا وہ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا اس طرح مولانا کے یقین دلانے پر انھیں کے ہاتھ سے موسمی کے رس کا گلاس پی کر مہاتما گاندھی نے اپنی زندگی کا آخری برت توڑ دیا۔

مہاتما گاندھی اُن دنوں دلی میں برلا ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہر شام اس کوٹھی کے پچھلے حصہ میں ان کی پرارتھنا سبھا ہوتی تھی جہاں ہر فرقہ اور طبقہ کے لوگ ان کی تقریر سننے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ مہاتما جی اپنی تقریر میں ملک کے حالات پر روشنی ڈالتے، لوگوں کے اندر سے نفرت مٹانے کی بات کرتے اور اہنسا اور سیتہ کے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتے تھے۔ روزانہ کی طرح ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شام میں بھی معمول کے مطابق مہاتما جی پرارتھنا سبھا میں پہنچے ہی تھے کہ ناتھورام گوڈسے نامی ایک شخص نے اپنی پستول سے تین فائر کرکے انھیں شہید کر دیا۔ مولانا آزاد کو مہاتما جی کے اس حادثہ سے بڑی سخت تکلیف پہنچی۔ وہ مہاتما جی کے بہت عزیز رفیقوں میں تھے اور اٹھائیس برس تک ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں ایک دوسرے کے شریک رہے تھے۔ یہ غم اگرچہ سارے ہندستان کے لوگوں کا غم تھا مگر آزاد اور نہرو کے لیے تو کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ مولانا نے مہاتما جی کی یاد میں منائے جانے والے ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ مہاتما گاندھی "دنیا کی تمام حدبندیوں سے اوپر تھے۔ اور ان کی نگاہ میں ہر قوم اور ہر وطن، ہر نسل اور ہر گروہ کی حیثیت یکساں تھی اور وہ ہر ایک کی خوبیوں کو اپناتے اور پسند کرتے تھے۔ ان کو "دنیا کی حدبندیوں نے جکڑنے کی کوشش کی مگر وہ الجھ نہ سکے۔ بندشوں نے ان کا دامن پکڑنا چاہا مگر وہ گرفت میں نہ آسکے۔ میرے نزدیک گاندھی جی کی سب سے بڑی بڑائی یہی ہے۔"

www.taemeernews.com

وزارت

مولانا آزاد ۱۵ر جنوری ۱۹۴۷ء سے ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء تک یعنی کم و بیش گیارہ برس ہندستان کے وزیر تعلیم کے اعلا منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۵۲ء کے عام انتخابات میں وہ رام پور سے لوک سبھا کے لیے منتخب ہوئے تو دوسری بار ۱۹۵۷ء میں انھوں نے ہریانہ کے گوڑگانو نامی حلقۂ انتخاب سے الیکشن میں کامیابی حاصل کی۔ اس پوری مدت میں وہ پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر رہے اور وزیراعظم نہرو کے مشیر بھی۔

مولانا آزاد نے جب قلم دانِ وزارت سنبھالا تھا تبھی یہ محسوس کرلیا تھا کہ تعلیمی مشکلوں کو مرکز اور ریاستی حکومتوں کے تعاون کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔ یہی سبب ہے کہ تعلیم کے فروغ کے سلسلہ میں انھوں نے جتنے اقدامات کیے ان میں ریاستوں کی مدد شامل رہی اپنے تعلیمی پروگرام کو کامیاب بنانے کی غرض سے اپنی وزارت کے سکریٹری کی حیثیت سے مولانا نے ڈاکٹر تاراچند، پروفیسر ہمایوں کبیر اور خواجہ غلام السیدین جیسے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کیں انھوں نے آزاد ہندستان میں تعلیم کے تقاضوں کو سمجھا اور انھیں کے مطابق تعلیم کو جمہوری بنانے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف رہے ان کے دور وزارت میں اسکول جانے والی عمر کے سبھی بچوں کے لیے بنیادی تعلیم کو لازمی اور مفت قرار دیا گیا لوگوں کی ناخواندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا کر انھیں خواندہ بنانے کی اسکیم پر عمل درآمد شروع ہوا پنج سالہ منصوبوں میں تعلیم کی اہمیت کو

www.taemeernews.com

اجاگر کیا گیا۔ بنیادی تعلیم کے اساتذہ کے کالج کھولے گئے اور اسکولوں کو بنیادی اسکولوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ سکینڈری ایجوکیشن بورڈ کا قیام عمل میں آیا، سماجی تعلیم کو اہمیت حاصل ہوئی اور سکینڈری ایجوکیشن کی آل انڈیا کونسل قائم ہوئی۔ بڑی تعداد میں اساتذہ کا تقرر کیا گیا اور ان کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا۔

عالمی جنگ کے نتیجہ میں بچوں کی ایک بڑی تعداد اپاہج ہو گئی تھی مولانا کی وزارت نے ان معذور بچوں کی تعلیم کا خصوصی انتظام کیا اسی طرح معذور لوگوں کے لیے بھی ادارے قائم کیے۔ بڑوں کی تعلیم کے لیے تعلیم بالغان کا منصوبہ بنایا گیا ان کے لیے شہروں اور دیہاتوں میں شبینہ اسکول کھولے گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے اقوام متحدہ کے ادارہ یونسکو سے بھی مدد لی۔ مولانا کی وزارت نے ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ بچوں اور نوجوانوں کی جسمانی نشو و نما کی طرف بھی توجہ کی اور ملک میں فزیکل ایجوکیشن کالج کھولے۔ اولمپک، ایشیائی اور دوسرے کھیلوں میں ہندستان کی نمایندگی کے لیے کھلاڑیوں کو تیار کیا۔ اسکاؤٹس اور گرل گائڈس کی حوصلہ افزائی کی۔

اعلا تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے مولانا آزاد کی وزارت نے خصوصی اقدامات کیے۔ یونی ورسٹیوں کی اصلاح اور ان کی از سر نو تنظیم کے لیے انڈین یونیورسیٹیز کمیشن قائم ہوا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کا کام یہ تھا کہ وہ یونی ورسٹیوں کی مالی اعانت کرے۔ اس زمانے میں نئی نئی یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں اور سارے ملک میں کالجوں کا جال بچھ گیا اور تحقیق کے لیے راہیں ہموار ہوئیں

اگرچہ بنیادی طور پر مولانا آزاد ایک ادیب تھے لیکن دوسرے علوم و فنون پر بھی ان کی نظر بہت گہری تھی۔ ان کا مزاج سائنسی تھا۔ اسی لیے انھوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تعلیم کو وسعت دینے کی غرض سے کئی کمیشنوں، کونسلوں اور تحقیقی اداروں کو قائم کیا۔ انھیں کے ایما پر تکنیکی تعلیم کے

www.taemeernews.com

اداروں کو فروغ حاصل ہوا۔

مولانا نوجوانوں کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔ انھوں نے ان کے لیے یوتھ فیسٹیولوں کا انعقاد کرایا، ڈراما، رقص، موسیقی اور دوسرے میدانوں میں ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے لیے انعامات کا سلسلہ شروع کیا اور ایک انٹرنیشنل ہاؤز قائم کیا۔ انھوں نے ہندستان کے طلبہ کے لیے بیرونی ملکوں میں اعلا تعلیم کے مواقع فراہم کیے۔

مولانا اگرچہ خود مشرقی علوم کے عالم تھے مگر انھوں نے ہندی اور سنسکرت کے فروغ کے لیے بھی منصوبے بنائے اور ان پر عمل درآمد کرایا۔ مختلف زبانوں کے ادیبوں کے لیے وظیفے شروع کرائے اور ان کی مالی امداد کے لیے وسائل مہیا کیے۔

مولانا نے اپنی وزارت کے دور میں تین اکادمیاں قائم کیں جو ساہیتہ اکادمی، سنگیت ناٹک اکادمی اور للت کلا اکادمی کے نام سے مشہور ہیں۔ ساہیتہ اکادمی ہندستانی ادیبوں کی تخلیقات چھاپتی ہے، انھیں علاقائی زبانوں میں شائع کرتی ہے اور ادیبوں اور شاعروں کو انعامات دیتی ہے۔ مولانا کی وفات کے بعد ساہیتہ اکادمی ہی نے ان کی کتابوں کو شائع کیا سنگیت ناٹک اکادمی، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، موسیقی اور ڈرامے کے فن کو فروغ دینے کے لیے قائم کی گئی۔ اسی طرح مصوری، مجسمہ سازی جیسے فنون کو فروغ دینے کے لیے للت کلا اکادمی کا قیام عمل میں آیا۔ ادب سے متعلق ایک اور ادارہ نیشنل بک ٹرسٹ کے نام سے قائم کیا گیا جس میں مختلف موضوعات پر کتابیں چھاپی جاتی ہیں اور بہت سستی قیمت میں فروخت کی جاتی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے ادب کے لیے بھی ایک ٹرسٹ کے قیام میں مدد دی۔

اسی طرح مولانا نے آزاد ہندستان میں کئی نئے اداروں کو وقت کی ضرورت کے تحت یا تو قائم کیا یا نئے سرے سے قائم شدہ اداروں کی تنظیم کی نیشنل گیلری

www.taemeernews.com

آف آرٹ، نیشنل میوزیم، نیشنل آرکائیوز، نیشنل لائبریری، اسی قسم کے کچھ ادارے ہیں۔ انھوں نے محکمہ آثار قدیمہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دی جس کا کام یہ ہے کہ قدیم عمارتوں کی حفاظت کا انتظام کرے۔ اس سلسلہ میں اہم کتابیں بھی چھاپی گئیں۔ سماجی اور فلاحی کاموں کے لیے ایک سوشیل ویلفیر بورڈ قائم کیا گیا۔

برطانوی حکومت کے دور میں ہندستان کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا تھا اور حقائق کو چھپا کر ایسی باتیں پھیلانے کی کوشش کی جاتی تھی جس سے ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان نفرت ابھرے۔ مولانا کے نزدیک برطانوی مورخوں کی لکھی ہوئی تاریخ کی کتابیں نہ صرف غلط تھیں بلکہ ان سے ملک کی سالمیت پر ضرب پڑتی تھی۔ اس لیے انھوں نے ملک میں آزادی کی تاریخ کو نئے سرے سے لکھوانے کا انتظام کیا۔ یہ تاریخ ڈاکٹر تارا چند جیسے نامور مورخ کی صدارت میں بنائے گئے ماہرین کے ایک بورڈ نے تیار کی جو چار جلدوں میں شائع ہوئی۔

مولانا آزاد ہندستانی ثقافت کے علمبردار تھے۔ وہ دوسرے ملکوں کے ساتھ ثقافتی سطح پر ہندستان کے تعلقات قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور وزارت میں ثقافت اور اس سے متعلق اداروں کو بہت فروغ ملا۔ اس سلسلہ میں ثقافتی وظیفے دیے گئے اور عالموں اور فنکاروں کو دوسرے ملکوں میں بھیجا گیا اور وہاں سے اسی قسم کے لوگوں کو خوش آمدید کہا گیا اس مقصد سے مولانا نے انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز نامی ایک ادارہ قائم کیا۔ آج اس ادارہ کا قیام جس عمارت میں ہے اسے مولانا آزاد ہی کی یاد میں آزاد بھون کا نام دیا گیا ہے جہاں مولانا آزاد کا ذاتی کتب خانہ بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے غیر ملکوں کے خیر سگالی دورے کیے اور دنیا کے بیشتر ملکوں کو ہندستان کے قریب آنے میں مدد کی۔

غرض کہ مولانا نے گیارہ برس کی مدت میں جو بیش قیمت خدمات انجام

www.taemeernews.com

دیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ دراصل تعلیم کی وزارت کا عہدہ مولانا کے سپرد کرکے وزیراعظم جواہر لال نہرو نے ہندستان میں تعلیم کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا اہم کام انجام دیا۔ آج ہندستان میں تعلیم کو جو فروغ حاصل ہوا ہے اس کی بنیاد مولانا ہی نے رکھی تھی اور جو ادارے انھوں نے قائم کیے تھے وہ کامیابی اور حسن وخوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں خواجہ غلام السیدین کے خیالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

"مولانا ہر لحاظ سے ایک معلّم تھے۔ انھوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں لکھا اس کی تعلیم بھی دی۔ ان میں خود وہ ذہانت تھی اور کردارِ صالح موجود تھا جسے وہ ملک کے عوام کو دینا چاہتے تھے وہ صداقت واخلاص کی تصویر تھے۔ انھوں نے سقراط کی طرح حق وصداقت کی حمایت کی، یہ وہ صداقت تھی جس کو مصلحتیں باز نہیں رکھ سکتیں اور جو کسی طرح غلط تنقید یا مخالفت سے نہیں ٹل سکتی تھی...

انھوں نے انسانی قدروں کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھا اور پایا کہ اِس ملک میں لوگ ایسے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں بعض کو سماجی مساوات اور جمہوری برابری حاصل نہیں۔ چنانچہ انھوں نے ہری جنوں اور قبائلی پسماندہ طبقوں کے لیے وظائف کی ایک اسکیم جاری کی جو اُن کے زمانہ میں تین لاکھ روپے سالانہ سے بڑھ کر دو کروڑ روپے سالانہ تک پہنچ گئی ... مختلف ملکوں کے ساتھ ثقافتی روابط کا مبادلہ ہوا جس سے باہمی رواداری اور محبّت میں اضافہ ہوا ... مولانا خود ایک مصنّف اور اعلا کلچر کے آدمی تھے۔ انھوں نے ایک اسکیم بنائی جس سے مستحق مصنفوں، شاعروں اور فنکاروں کو امداد دی جاتی تھی۔ ان کا قول تھا کہ اس قسم کی امداد تو ہندستانی حکومتوں اور درباروں کا عام وطیرہ رہا ہے... انھوں نے ہندی کی

www.taemeernews.com

ترویج و ترقی کے لیے پروگرام بنایا ان کی خاص طور پر یہ ہدایت تھی کہ اس پر اس انداز سے عمل ہو کہ ہندستان کی دوسری زبانوں کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ حصول آزادی کے جوش میں کچھ جوشیلے لوگوں نے انگریزی کو ملک بدر کرنے کی تجاویز پیش کیں تو مولانا نے، جو خود مشرقی طرز تعلیم کے پروردہ تھے، اسے منظور نہیں کیا بلکہ اس بات پر اصرار کیا کہ انگریزی نہ صرف قائم ہی رہے بلکہ اسے قومی زندگی میں اعلا مقام بھی حاصل ہو . . ."

www.taemeernews.com

تصانیف

مولانا آزاد نے بڑی چھوٹی عمر میں لکھنے لکھانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ مختلف رسالوں اور جریدوں میں ان کے مضامین چھپنے لگے تھے اور پھر انھوں نے خود بھی کئی پرچوں کی ادارت کی۔ اس طرح ان کے قلم سے بے شمار مضامین نے جنم لیا۔ لیکن ان کی اہم تصانیف وہ ہیں جو جیل میں لکھی گئیں۔ اگر شمار کیا جائے تو ان کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے مگر ان میں مندرجہ ذیل نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔

(۱) ترجمان القرآن

مولانا آزاد ایک مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے تھے جہاں اسلام اور ارکان اسلام ہی گفتگو کا موضوع بنے رہتے تھے۔ قرآن پاک اور حدیث کا ذکر رہتا تھا۔ اس مذہبی اثر نے ان کی زندگی میں بھی قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے معنیٰ کو حقیقت کا روپ دیا۔ اس لیے انھوں نے اپنے ہفت روزہ "الہلال" میں کلام پاک کی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ پھر جب مولانا رانچی میں قید کیے گئے تو وہاں انھوں نے اسے تکمیل کو پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور اسے

www.taemeernews.com

تقریباً پورا بھی کر لیا مگر ان کا یہ سرمایہ ضائع ہو گیا۔ تاہم انھوں نے دوبارہ اسے شروع کیا اور اٹھارہ پاروں کی تفسیر پر ختم کر دیا۔ جسے "ترجمان القرآن" کے نام سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی یہ تفسیر علم کا بیش بہا خزانہ ہے۔ جس میں مختلف انداز سے قرآن پاک کے معنیٰ اور مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) تذکرہ

"تذکرہ" میں مولانا کے خاندان کی تفصیل ملتی ہے۔ دراصل جب وہ "البلاغ" کی ضمانت ضبط ہو جانے کے بعد رانچی میں نظر بند کیے گئے تو ان کے پرانے ساتھی اور عقیدت مند فضل الدین صاحب کے اصرار پر اپنی زندگی کے حالات لکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے جو کچھ بھی لکھا وہ اسے فضل الدین صاحب کو بھیجتے رہے مگر مولانا نے اپنی زندگی کے حالات کم اور اپنے خاندان کے اجداد کی تفصیلات زیادہ رقم کیں فضل الدین نے "تذکرہ" کی پہلی جلد شائع ہی کی تھی کہ دوسری جلدوں کے مسودے ضائع ہو گئے۔ اس طرح مولانا کے خاندان سے متعلق تفصیل پر مشتمل "تذکرہ" ایک اہم تصنیف ہے جس میں مولانا نے خود اپنی پیدائش اور ابتدائی حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۳) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی

۱۹۱۶ء میں نظر بند ہونے کے بعد مولانا پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو رہا ہوئے۔ اس زمانہ میں انھوں نے "ترجمان القرآن" اور "تذکرہ" پر کام کیا مگر ۱۹۲۱ء میں وہ خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں دوبارہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس سزا کے دوران میں انھوں نے جیل میں اپنے پرانے ساتھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اصرار پر انھیں اپنے والد اور خود اپنی زندگی کے اہم حالات لکھوا دیے۔ اس کتاب میں بہت سی ایسی باتیں تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں جن کا تعلق مولانا

www.taemeernews.com

کی زندگی سے تھا۔ اسی لیے مولانا ملیح آبادی نے اس تصنیف کا عنوان "مولانا آزاد کی کہانی خود مولانا آزاد کی زبانی" تجویز کیا جسے مولانا کے انتقال کے بعد شائع کیا گیا۔

(۴) غبار خاطر

"غبار خاطر" مولانا کے قلم کی آخری یادگار ہے جو انھوں نے ہندستان کی آزادی کے سلسلہ میں اپنی آخری قید کے دوران تصنیف کی۔ دراصل اس میں مولانا کے وہ تمام خط شامل ہیں جو انھوں نے احمد نگر کے قلعہ میں اپنی قید کے دنوں میں اپنے دوست نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان شیروانی، رئیس بھیکم پور کے نام لکھے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی خط کبھی ڈاک کے سپرد نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ قلعہ سے خط لکھنے کی ممانعت تھی۔ دراصل مولانا نے اپنا جی بہلانے کی غرض سے خط لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کے نتیجہ میں ایک اچھا خاصا فائل بن گیا۔ رہائی کے بعد مولانا نے یہ تمام خط اپنے سکریٹری اجمل خاں کے سپرد کر دیے تاکہ وہ انھیں نواب صدر یار جنگ کو بھجوا دیں مگر اجمل خاں کے اصرار پر مولانا اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کی اجازت دینے پر مجبور ہو گئے جسے "غبار خاطر" کا نام دیا گیا۔ اس تصنیف میں مولانا نے کہیں کہیں ذاتی حالات کا ذکر کیا ہے لیکن بیشتر خطوں میں ادب، شاعری، تاریخ، فلسفہ سے متعلق انتہائی معلوماتی مضامین قلم بند کیے ہیں۔ ان خطوں میں مولانا کا وہ دردناک خط بھی شامل ہے جو انھوں نے اپنی بیگم کی وفات اور بیماری سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ اس طرح خطوط کی شکل میں "غبار خاطر" ایک شاہکار تصنیف بن گئی جس میں مولانا کی علمیت، قابلیت اور اہلیت کے نمونے ملتے ہیں۔

(۵) ہماری آزادی

مولانا کی آخری تصنیف "انڈیا ونس فریڈم" ہے جسے "ہماری آزادی" کے

www.taemeernews.com

عنوان سے اردو میں شائع کیا گیا۔ دراصل مولانا کی یہ کتاب ان کی سیاسی زندگی اور ہندستان کے سیاسی حالات پر مشتمل ہے جسے لکھوانے کا سہرا ہندستان کے نامور رہنما اور دانشور پروفیسر ہمایوں کبیر کے سر ہے جنھوں نے مولانا کو اس اہم دور کے حالات پر زبان کھلوانے کے لیے رضامند کر لیا۔ مولانا نے اس کتاب کو پروفیسر کبیر کو زبانی لکھوایا تھا جسے پروفیسر صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کر کے مولانا کی وفات کے بعد شائع کروایا۔ اس کتاب کے تیس صفحے مولانا کی وفات کے تیس سال بعد کھولے جانے تھے جنھیں پروفیسر کبیر نے نیشنل آرکائیوز دہلی اور نیشنل لائبریری کلکتہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ مگر ۲۲ فروری ۱۹۸۸ء گزر جانے اور تیس سال پورے ہو جانے کے باوجود ان صفحات کو شائع نہیں کیا جا سکا اور معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ تاہم عدالت نے ۳۰ ستمبر ۸۸ء کو انھیں کھلوا کر کتاب کے ناشر کے حوالے کر دیا۔

ان تیس صفحوں میں مولانا نے صوبائی اور قومی اہمیت کے کچھ ایسے واقعات کی نشاندہی کی ہے جن سے ملک کو نقصان پہنچا۔ انھوں نے ۱۹۳۷ء میں بہار میں وزارتِ عظمیٰ کے لیے امیدوار چُننے کے سلسلہ میں کانگریس کی کوتاہی پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح انھوں نے کانگریس کے اعلا رہنماؤں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جنھیں انھوں نے ملک کے بٹوارے کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مولانا نے ایک ایسے رہنما کے بارے میں لکھا ہے جنھیں وہ خود تو ناپسند کرتے تھے مگر جواہر لال انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ مولانا اگرچہ پنڈت نہرو سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے بڑے مدّاح تھے مگر وہ ان کی بہت سی باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ تاہم وہ پنڈت جی کی ان کوتاہیوں کو اپنی یا ان کی زندگی میں بے نقاب کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ان تمام حقیقتوں سے متعلق ان کے خیالات کا اظہار انھوں نے تیس سال کے لیے ملتوی کر دیا تھا۔

ان تصانیف کے علاوہ مولانا کی تقریروں کے بہت سے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں جنھیں

www.taemeernews.com

خطبات آزاد کا عنوان دیا گیا۔ حکومت ہند نے بھی مولانا کی تقریروں کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ بہت سے ناشروں نے "الہلال" اور "البلاغ" کے اہم مضامین کو یکجا کر کے مختلف عنوانات سے شائع کیا ہے۔ اسی لیے ۱۹۲۱ء میں گرفتاری کے بعد مولانا کا وہ بے باکانہ بیان بھی جو انھوں نے عدالت میں تحریری شکل میں داخل کیا تھا، قول فیصل، کے نام سے شائع ہوا۔ اس بیان کو مولانا کی جرأت مندی اور دلیری کی زبردست مثال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جس میں انھوں نے برطانوی حکومت کے خلاف اپنے باغیانہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح خلافت کی تحریک کے دوران میں اس مسئلہ پر مولانا کی مختلف تحریروں کو بھی مختلف عنوانات سے شائع کیا جا چکا ہے۔

مولانا کی حیات میں ان کی خط و کتابت مختلف لوگوں سے رہی۔ انھوں نے ہزاروں خطوں کے جواب لکھے جو اہمیت کے حامل ہیں۔ اس طرح ان کے خطوط کے بہت سے مجموعے شائع ہو گئے جو 'کاروانِ خیال'، 'نقش آزاد' 'تبرکاتِ آزاد'، 'ملفوظات آزاد'، 'مکاتیب ابوالکلام آزاد'، 'نگارشات آزاد' اور 'مولانا آزاد کے نام ادبی خطوط وجوابات' کے عنوانات کے تحت شائع ہوئے۔ ان تمام خطوں میں مولانا کے سوچنے کے انداز، مسئلوں کے بارے میں ان کے خیالات اور اسی طرح کی دوسری بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا کی یہ تمام تحریریں اور کتابیں بڑی اہم ہیں جن پر تحقیق کام ہو رہا ہے۔

www.taemeernews.com

وَفَات

مولانا آزاد اپنے معمول کے بڑے پابند تھے۔ وہ صبح چار بجے جاگ اُٹھتے تھے۔ دو تین پیالیاں چائے کی پی کر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ کتابوں اور اخباروں پر نظر دوڑانے کے بعد وہ غسل کرتے اور پھر ناشتا کرنے کے بعد ٹھیک دس بجے دفتر پہنچ جاتے تھے۔ وہاں وہ لوگوں سے ملاقات کرتے، دفتر کے کام نمٹاتے اور سرکاری میٹنگوں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک بجے دوپہر کھانے کے لیے گھر پہنچتے اور ڈھائی بجے دوبارہ دفتر پہنچ کر شام میں پانچ بجے تک مصروف رہتے تھے۔ وہ بڑے انہماک سے کام کرتے تھے۔ ان کی میز پر نہ تو کبھی کوئی فائل باقی رہی اور نہ ہی کوئی کاغذ نامکمل رہا۔ شام میں گھر پہنچ کر مولانا چائے سے شوق کرتے اور پھر پڑھنے لکھنے میں کم ہو جاتے تھے۔ وہ رات کا کھانا نو بجے کھانے کے بعد دس بجے تک سو جاتے تھے۔ وہ دِلّی میں ہوں یا دِلّی سے باہر۔ ان کے معمول میں کبھی فرق نہ آیا۔

کاموں کی کثرت، مسلسل محنت، اور فرصت کی کمی نے مولانا کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ ان کی زندگی کے دس سال اور سات مہینے برطانوی حکومت کی جیلوں میں گزرے تھے اور آزادی حاصل کرنے کے بعد کا زمانہ نئی نئی

www.taemeernews.com

پریشانیوں کا سامنا کرنے، نئے ہندستان کی تعمیر کے سلسلہ میں آنے والے مسئلوں کو سلجھانے میں صرف ہوا۔ یہی سبب ہے کہ مولانا کی صحت جواب دینے لگی لیکن انھوں نے اس کی کبھی پروانہ کی اور اپنی ہر مصروفیت کو خوبی سے نباہتے رہے۔ ۱۵ر فروری ۱۹۵۸ء کو دلی کے لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تاریخی میدان میں ایک اردو کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ مولانا اردو کے ادیب اور خطیب تھے، اسی زبان میں انھوں نے کتابیں لکھیں اور اسی زبان میں انھوں نے اپنے وطن والوں سے خطاب کیا تھا۔ دراصل وہ اردو کے عاشق تھے، پارلیمنٹ میں بھی وہ اردو کی حمایت میں بڑی شاندار تقریر کر چکے تھے اس لیے جب اردو کانفرنس والوں نے انھیں مدعو کیا تو مولانا اس میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ کانفرنس کا افتتاح وزیراعظم پنڈت نہرو نے کیا اور مولانا نے اس میں تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ:

"اردو کی جو جگہ ہے وہ اسے ملنی چاہیے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جو کثرت کے ساتھ بولی جاتی ہے، نہ صرف شمال میں بلکہ جنوب میں بھی آپ کو معلوم ہے کہ حیدرآباد، تلنگانہ کے علاقے میں اردو بولی جاتی ہے، میسور میں لاکھوں آدمی اردو بولتے ہیں۔ اسی طرح آندھرا اور مدراس میں متعدد جگہ اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یوپی، بہار، دلی اور پنجاب میں تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہاں کے لاکھوں اور ہزاروں آدمی اردو بولتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کانفرنس جس مقصد کے لیے بلائی گئی ہے اس میں کامیابی ہوگی۔ اور جب کہ وزیراعظم نے اس کا افتتاح کیا ہے تو یقیناً یہ اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہے گی۔"

دراصل آزادی کے حصول کے بعد اردو والے حکومت سے اس کا حق مانگ رہے تھے جب کہ فرقہ پرست عناصر اسے ایک بدیسی زبان قرار دیتے تھے اور اسے بٹوارے کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ اسی لیے مولانا نے اس زبان کے حق میں تقریر کی۔ یہ مولانا کی آخری تقریر تھی جو انھوں نے عوام کے کسی جلسہ میں کی کیونکہ اس کے بعد لوگ ان کی آواز

www.taemeernews.com

سننے کے لیے ترس گئے۔

۱۹ر فروری ۱۹۵۸ء کی صبح میں اچانک مولانا آزاد پر فالج کا حملہ ہوا۔ فوری طور پر طبی امداد بہم پہنچائی گئی مگر مولانا بے ہوش رہے۔ ایک دو بار ہوش آیا۔ لیکن وہ کسی کو پہچان نہ سکے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور معالجوں نے کوشش کی مگر مولانا جانبر نہ ہو سکے اور بالآخر ۲۲ر فروری کی صبح دو بج کر دس منٹ پر ان کی زندگی کی وہ شمع ہمیشہ کے لیے گُل ہو گئی جس سے ملک روشن تھا ــــ اسی دن سہ پہر میں لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع اسی تاریخی میدان میں انھیں اسی جگہ دفنا دیا گیا جہاں کچھ روز پہلے انھوں نے اردو کے حق میں آخری تقریر کی تھی۔ اس طرح ۱۸۸۸ء میں مکّہ کے مقدّس شہر سے شروع ہونے والی داستان کا یہ لمبا سفر پُر پیچ راہوں اور عجیب و غریب منزلوں سے ہوتا ہوا ۱۹۵۸ء میں ہندستان کے تاریخی شہر دلّی میں ختم ہو گیا ــــــ !!

www.taemeernews.com

عقیدت کے پھول

مولانا آزاد کی وفات ایسا الم ناک سانحہ تھی جس نے ہر دل کو درد سے چُور اور ہر آنکھ کو آنسوؤں سے تر کر دیا۔ وہ جس قدر بڑے عالم تھے اسی قدر عظیم انسان بھی تھے۔ ان کے ساتھیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس پر اُن کی چھاپ موجود نہ ہو۔ کوئی ان کی علمیت سے متاثر تھا تو کوئی ان کے عمل سے۔ کسی نے ان کے تدبر سے سبق لیا تو کسی نے ان کی دانش وری سے۔ کوئی ان کی شرافت کا معترف تھا تو کوئی ان کی ذہانت کا قائل۔ بہر حال ہر شخص کسی نہ کسی طرح ان سے متاثر ضرور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مولانا دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے تو ہندستانی سماج کے ہر طبقہ کے رہنماؤں نے اُن کی خدمت میں عقیدت کے پھول پیش کیے جن سے مولانا کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کہا:

"مولانا ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور اس پر عمر بھر ایک چٹان کی طرح کھڑے رہے جب کہ ان کے ہم مذہبوں نے ان پر ناروا تنقید و تعریض کی بارش کی۔ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے ان کی رائے ہمیشہ کام آتی تھی۔ ان سے زیادہ تو کیا ان کے برابر کی مدت تک بھی کوئی لگاتار کانگریس کا صدر نہیں رہا اور وہ بھی اس وقت جب نہایت نازک اور

www.taemeernews.com

ضروری مسائل پر غور وخوض ہوا۔ ان کے علم وفضل کے باب میں تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ صرف 'ترجمان القرآن' کا کام ہی ایسا ہے کہ وہ دنیا کے علماء میں ممتاز ہیں۔ ان کے جنازہ کے ساتھ لاکھوں عقیدت مند تھے یہ لوگوں کی ان سے محبت اور عزت کا ثبوت ہے "

مولانا کے رفیق خاص وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

"..... مولانا آزاد ان لوگوں میں سے تھے جن کی شخصیت کی نشوونما قومی تحریک کے ساتھ ساتھ نصف صدی سے زیادہ مدت میں ہوئی۔ انھوں نے قومی تحریک کے مختلف دور دیکھے اور ان میں حصہ لیا اور اس کی جدوجہد، اس کی کامیابیوں اور ناکامیوں اور اس کے منتہائے مقصد کی تکمیل میں شریک رہے۔ وہ اس تحریک کا اہم جزو تھے اور انھوں نے بڑی حد تک اس کی تشکیل کی۔ پھر بھی وہ ایک جید عالم اور انفرادیت پسند رہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ہندستانی عوام کے انبوہ کثیر میں یک وتنہا حیثیت کے مالک رہے اس طویل مدت میں انھوں نے قومی تحریک کی جو رہنمائی کی اس کی وجہ سے انھیں ہماری قومی تاریخ میں ایک بلند اور پائندہ مقام حاصل رہے گا"

جواہر لال نہرو نے مزید کہا:

"..... اُن کی ذات غیر معمولی علمیت اور حیرت افزا ذہانت کی حامل تھی جس پر کبھی جذبات یا تعصب کا غلبہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر بات تو یہ ہے کہ ان کی شخصیت ایک ایسا آئینہ تھی جس میں ہندستان کی اس گوناگوں تہذیب کا عکس پایا جاتا ہے جسے بہت سے بیرونی دھاروں نے متاثر اور مالا مال کیا ہے ..... بعض اعتبار سے ان کی طرز فکر بنیادی طور پر جدید تھی اور بعض دوسری باتوں میں ان کا ماضی سے بڑا گہرا رشتہ تھا اور وہ اس دور کے شعور کا ایک عکس تھے جسے روشن خیالی کا دور کہا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر وہ ایک

www.taemeernews.com

ایسے غیر معمولی فرد تھے جنھوں نے اس مقصد کو، جس کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے ایک امتیازی شان بخشی اور وہ بھی کچھ اس ڈھنگ سے جس کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔"

ممتاز ماہر تعلیم اور بہار کے گورنر ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا:

"مولانا نے اپنی مثال سے یہ بتا دیا کہ وہ اپنی ساری زندگی ایک مجاہد کی طرح اپنی قوم کی آزادی کے لیے، اس کی آزادی حاصل کرنے کے لیے اور آزادی حاصل ہونے کے بعد آزادی کو اچھی نیو اور بنیاد پر قائم کرنے کے لیے صرف کرسکتے ہیں۔ انھوں نے ثابت کر دیا کہ علم ایک گورکھ دھندہ نہیں ہے کہ جس سے لوگوں کو دھوکے دیے جائیں بلکہ وہ ایک روشنی ہے جس سے آدمی دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے۔

"میرے خیال میں مولانا نے جو ایک سب سے بڑی خدمت کی وہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے آدمی کو انھوں نے یہ بتایا کہ مذہب کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک مذہب کی حیثیت وہ ہوتی ہے جو تفریق پیدا کرتی ہے جو لوگوں کو الگ الگ کرتی ہے۔ جو لوگوں میں نفرت پیدا کرتی ہے وہ مذہب جھوٹا مذہب ہے۔ انھوں یہ بتلایا کہ مذہب کی روح ملانے والی روح ہے۔ مذہب کی روح ایک دوسرے کو پہچاننے والی روح ہے۔ مذہب کی روح خدمت کی روح ہے۔ مذہب کی روح دوسروں کے لیے اپنے کو مٹانے کی روح ہے۔ مذہب کی روح وحدت کو ماننے کی روح ہے۔ ساری زندگی کی وحدت کو ماننے کی روح ہے اور یہ ایک ایسا سبق ہے جو تمام مذہبی جماعتوں اور تمام ان لوگوں کو سیکھنا چاہیے جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنانا چاہتے ہیں۔ زبان کے اوپر یا صوبے کے اوپر یا کسی ذات پات کے اوپر یا کسی مذہب کے اوپر ٹکڑیاں بنا کر ہماری زندگی کی وحدت کو مٹانا چاہتے ہیں ہمارے ملک میں اس وقت جو سب سے بڑا مرض ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو چھوٹی وفاداریاں ہیں، تنگ وفاداریاں ہیں وہ زیادہ قوی ہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں سے زیادہ

www.taemeernews.com

وابستہ ہیں اور بڑے گروہ کو پوری طرح نہیں سمجھتے ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ اپنی چھوٹی وفاداریوں کو اس بڑی وفاداری کے تابع کریں۔ کوئی ضرورت نہیں کہ چھوٹی وفاداریاں توڑ دی جائیں۔ کسی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سکھ نہ رہے، مسلمان نہ رہے، ہندو نہ رہے یا پارسی نہ رہے لیکن اس کو پہلے اس دیس کا، پھر تمام انسانیت کا خادم بننا چاہیے۔ تب وہ سچا مسلمان ہے، تب وہ سچا ہندو ہے، تب وہ سچا عیسائی ہے، تب وہ سچا پارسی ہے، تب وہ سچا سکھ ہے۔ یہ سبق مولانا کی زندگی سے روشن طور پر ہمیں ملتا ہے . . ."

مولانا کے معتمد اور ان کی تصنیف "ہماری آزادی" India Wins Freedom کے کاتب پروفیسر ہمایوں کبیر کے خیال ہیں :

"مولانا آزاد چالیس سال سے زیادہ عرصے تک، قوم پروری، ترقی، آزادی اور جمہوریت کے تقاضوں کے حامی رہے . . . بعض لوگ مصلح اور قوم پرور کی حیثیت سے ان کے رول کو کچھ غیر متوقع سمجھتے تھے لیکن یہ کوئی عجیب وغریب بات نہ تھی۔ یہ بات انھیں لوگوں کے لیے تعجب خیز ہے جو اسلام کی روایات کو بھول گئے ہیں اور صرف انھیں عقائد پر نظر رکھتے ہیں جو اکثر انگریزوں نے ہندستانی مسلمانوں سے منسوب کر دیے ہیں۔ اسلام نے، جس میں جمہوریت، آزادی اور عقلیت پر زور دیا گیا ہے، جواں سال مولانا آزاد کو اس وقت کی سیاسی غلامی، جاگیردارانہ طبقاتی درجہ بندی اور ذہنی ظلمت پسندی کے خلاف بغاوت پر ابھارا۔ چنانچہ وہ ملک وقوم کو سیاسی غلامی، جاگیرداری، خوشامد پسندی اور توہم پرستی سے نجات دلانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ یہ ہمہ گیر آزادی کا جذبہ ہی تھا جو مولانا آزاد کو عزلت نشینی کی خانقاہ سے نکال کر سیاست کے میدانِ کارزار میں لے آیا۔"

کانگریس کے نامور رہنما جے۔ بی۔ کرپلانی کے الفاظ ہیں :

"مولانا کا خیال تھا کہ ہندستان کا آزاد ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے

www.taemeernews.com

ساتھ دوسری نوآبادیوں اور اسلامی ملکوں کی آزادی بھی وابستہ ہے۔ انھیں یقین تھا کہ اس تحریک میں ہندستانی عوام کا شامل ہونا ضروری ہے چنانچہ وہ ہمیشہ گاندھی جی کی قیادت اور ان کی عدم تشدد کی تحریک سے وابستہ رہے حالانکہ بعض اور ساتھیوں کی طرح عدم تشدد ان کا ایمان نہیں تھا لیکن کانگریس کی مقرر کردہ پالیسی کے ہمیشہ وفادار رہے۔ مصائب یا ملک میں دوسروں کا راہِ راست سے فرار انھیں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکا۔ ۔ ۔

"انصاف پسندی ان کا شعار رہا۔ وہ بڑے معقولیت پسند تھے۔ اختلاف ہوتا تو بے باکی سے اس کا اظہار بھی کرتے بلکہ کبھی کبھی تنبیہ بھی کر دیتے، ان کے جانے کے بعد سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ میدانِ سیاست کا وہ فرد نہ رہا جس میں یہ ہمت تھی کہ ضرورت پڑے تو کسی کو منع بھی کر سکے۔ .... مولانا بڑے دینی عالم تھے۔ علم و فضل میں بے مثال تھے اردو میں ان کی خطابت کا جواب نہیں تھا۔ ملک کی بے پناہ محبت کے باوجود وہ ایک بین الاقوامی نظریے کے حامل تھے۔ جنگ آزادی میں انھوں نے بیش بہا خدمات انجام دیں ان کی متوازن شخصیت، علمیت اور بصیرت ہمیشہ یاد رہے گی۔"

مشہور ماہر تعلیم خواجہ غلام السیدین کی رائے ہے کہ :

"مولانا کا پیغام قوم کے لیے یہی تھا کہ نیکی اور شرافت کا ساتھ دو اور برائی اور بے انصافی کے ساتھ رشتہ نہ جوڑو۔ خدا کی رسّی کو جو حق اور صداقت کی رسّی ہے، جو سنیہ کا راستہ ہے مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ اور خود انھوں نے عمر بھر کبھی اس حبل المتین کو، اس مضبوط رسّی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کبھی غلطی اور بے انصافی میں 'اپنوں' کا ساتھ نہیں دیا۔ کبھی صحیح اور سچی بات میں 'غیروں' سے پہلو تہی نہیں کی۔ ان کے لیے 'اپنے' وہی تھے جو ان کے اصولوں سے متفق ہوں اور 'غیر' وہ جو ان اصولوں کی مخالفت

www.taemeernews.com

کریں۔"

اردو کے مایۂ ناز ادیب اور ناقد پروفیسر آل احمد سرور نے مولانا کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کتنی سچی بات لکھی ہے کہ:

"اُس کی زندگی بڑی شاندار اور بھرپور تھی۔ اُس کی موت بھی بڑی باوقار اور جلیل ہوئی۔ وہ ملک و قوم کی خاطر جیا اور اسی کی خاطر اس نے جان دی۔ شروع سے آخر تک وہ وضع دار رہا۔ ایمان اور عاشقی دونوں کو اُس نے سربلند کیا۔ جب تک وہ ہم میں موجود تھا تو ہمارے پاس کیا کچھ نہیں تھا اور اب جب کہ وہ ہم سے جدا ہو گیا ہے تو ہم نے کیا کیا نہیں کھو دیا ہے ــــ!!"